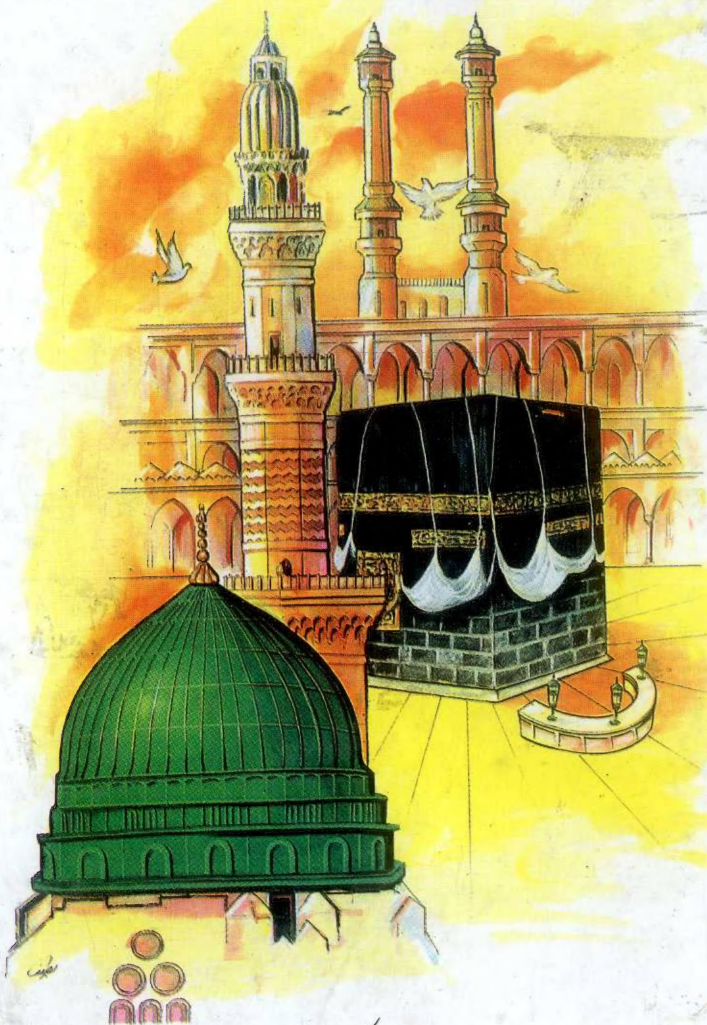


میتھم فادری

# شبِ حائے کہ من بوم



شورش کاشمیری

# شبِ جائے کہ منِ بودم

(حجاز میں چودہ دن)

پیشکش کل ستمیری

مطبوعاتِ چٹان

۸۸ میکلوڈ روڈ ○ لاہور

واحد تقسیم کنندگان **الفیصل** ناشرانِ آجہانِ کتب  
غزنی شریعت آؤ ویلازلہ



جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

جولائی 2006ء

کتاب	شب جائے کہ من بودم
مصنف	شورش کاشمیری
مطبع	چٹان پرنٹنگ پریس
ناشر	مطبوعات چٹان، لاہور
اشاعت	پنجم
قیمت	125/- روپے

واحد تقسیم کنندگان:

الفیصل  
ناشران و تاجران کتب  
غزنی شریعت اڈہ و بازار لاہور

ملک عباس حسین کے نام

\*\*\*\*\*

میرادل ان کا شکر گزار ہے



خدا ہے — کی سب سے بڑی دلیل خود میرا وجود ہے۔ مجھے زندگی میں جو کچھ ملا، رزق، اولاد، عزت، قلم، بیان یہ سب بارگاہ ایزدی کے انعامات ہیں۔ یہ چیزیں خدا کے سوا مجھے کوئی نہیں دے سکتا تھا، میں نے اپنے دھوسے اپنے رب کو پہچانا ہے۔ یہ میرے خدا ہی کا فضل و کرم تھا کہ ۱۹۶۹ء میں ۵ نومبر ۱۸ نومبر تک ارض قرآن میں رب ایک گمراہ معصیت اور آلودہ فسق انسان کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ بیت اللہ اور بارگاہ رسالت میں یاد کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف بے پایاں اور رحمت للعالمین کی کرم گستری تھی کہ ایک روسیہ اس بے پناہ دربار کی حاضری اور حضوری سے مشرف کیا گیا۔ یہ روداد کہنا اور لکھنا سہل نہیں، یہ اس دربار کی روداد ہے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ کے حواس گم ہو جاتے، اور شبلی و عطار تکتے رہ جاتے ہیں، میں نے سفرنامہ

عذر ہائے من پدیر



حجاز کے زیر عنوان چٹان میں اپنے جو تاثرات بیان کئے تھے یہ رد و اداس سے مختلف ہے میں نے یہ کہانی دل کے محسوسات اور رُوح کی کیفیات میں ڈوب کے لکھی ہے۔

عشق بڑی نازک چیز ہے میں خاطی و عاصی انسان ہوں خدا جانے میسر  
قلم نے کہاں تک میرا ساتھ دیا ہے بہر حال وہ مشابہات اور تجلیات کون لکھ سکتا  
ہے جو کعبۃ اللہ اور مدینۃ النبئی کی حاضری سے ملتی ہیں جس طرح زمزم صدیوں سے  
اُبل رہا ہے اور اس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بیت اللہ کی عظمت اور حرم نبوی  
کی تراکت کے تذکرہ کی حد یا کنارہ نہیں۔ ہم ایسے لوگ جو کچھ لکھتے اپنی بخشش کے  
لیے لکھتے ہیں۔ اللہ اور رسول کے گھروں کو ہمارے قلم و زبان کی احتیاج نہیں حاجت  
ہم ہیں کہ ان کے ذکر سے اپنی دنیا سنوارنے اور آخرت کا توشہ پاتے ہیں۔

میں نے جو کچھ لکھا، آپ کے سامنے ہے الفاظ کے چناؤ میں کوئی غلطی ہوئی  
ہو یا حاضری میں کمی رہ گئی ہو یا حضوری میں آداب کا اندازہ نہ کیا ہو تو یقین  
ہے میرا رب مجھے معاف کر دے گا میرے آقا کی رحمت للعالمین مجھے پناہ دے  
گی۔ وہ ان دنیوی حکمرانوں کی طرح نہیں جو ماتھے پر شکن ڈال کے انسانوں سے عجز و  
نیاز کا مطالبہ داغنے اور خدا کی زمین پر خود اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان  
کے ہاں خدا کا خوف متروکات سخن میں سے ہے۔ میں اپنی ہر لغزش کے لیے  
اپنے رب سے معافی چاہتا ہوں۔

میں نے جہاں تہاں کوئی روایت نقل کی ہے صرف اس خوف سے مبادا الفاظ  
میں ہیر پھیر ہو یا لفظ کا ترجمہ سُک جاسے ماخذ ہی کے الفاظ اٹھا کے رکھ دیئے

ہیں لیکن میں ایک انسان ہی ہوں کوئی چیز ادب کی ترازو سے نکل گئی ہو یا عبارت  
کے لہجہ میں پھانس آگئی ہو تو قارئین سے معافی چاہوں گا۔ میں نے اپنی استعداد میں  
کمی نہیں کی ایک بے پناہ شوق مجھے قلم کی معرزت یہاں کھینچ لایا ہے۔

سورج سب پر چمکتا ہے وہ گناہگار اور پرہیزگار نہیں دیکھتا۔ اسی طرح  
عشق کا سورج اس گناہگار پر بھی چمکا ہے۔ میرے چمن خیال میں جو کچھ تھا سورج  
کی اس روشنی نے تحریر کی شاخوں پر کھلا دیا ہے۔ میں علم کا ہمہ لے کر حاضر  
نہیں ہوا کہ اس سے میرے جیب داماں خالی ہیں۔ میرے پاس عشق تھا یہ اس  
کی صدا ہے مجذب کہہ لیجئے یا قلندر ظاہر ہے کہ مجذب و قلندر نیاز سے  
زیادہ ناز کرتے ہیں اور یہ رد و اداس۔ نیاز و ناز ہی کا آمیختہ ہے۔

شورش کاشمیری

۶ ستمبر ۱۹۷۱ء

دفتر چٹان لاہور



# جَدِّا



ذرا قربِ اول کو آواز دینا

بایں پیری رویشِ شبِ گزفتم  
نوا خواں از سرورِ عاشقانہ  
چو آن مرغِ کہ در صحرائِ شام  
کشاید پر بہ سحرِ آشیانہ

اقبال



جہہ میں اب صرف دو چیزیں عرب میں ایک زبان دوسرے اذان۔ باقی  
 ہر چیز پر یورپ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ عربوں کا خاص لباس بھی یہاں مخلوط ہو  
 گیا ہے۔ قطع ہے وضع نہیں، وضع ہے قطع نہیں وضع کا بھرم بھاد ہے تو قطع  
 میں رکھ رکھاؤ نہیں۔ غرض عرب تو یہی برقعہ کے عرب، عمارہ بھی اور عرب ستترہ  
 بھی لیکن ارض قرآن کے عرب اب اب دگل کے ایک نئے سانچہ میں ڈھل گئے ہیں۔  
 وہ طوفانوں سے کھیلنے والے عرب تھے اور خود ایک طوفان تھے۔ یہ ساحل  
 کے تماشائی عرب ہیں جو کن رہ پر کھڑے خود ایک کنارہ ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا مشکل  
 ہو گا کہ ان کا ماضی سے کوئی رشتہ نہیں رہا لیکن یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان کا ماضی  
 ان سے محروم ہو چکا اور اس چراغ کی طرح ہو گیا ہے جو یادوں کے مزار پر بھولی بھری  
 لودیتا ہے۔

جہہ بحرہ احمر کی ملکہ ہے اس کی موجیں اس کے ساحل سے ضرور ٹکراتی ہیں لیکن







مینہ برس چکا اور نکل گیا

زمین پر پھولوں کی بہار ہے

پرندوں کے چھپانے کا وقت آپہنچا

اور ہماری سرزمین میں قمریوں کی

آواز سنائی دینے لگی

انجیر کے درختوں میں ہرے انجیر کھنے لگے

اور تاکیں پھولنے لگیں

ان کی ہنک پھیل رہی ہے

سو اٹھ میری پیاری، میری جیلہ چلی آ

یہ کون ہے جو مرا اور لبان سے

اور سودا گردن کے تمام عطروں سے معطر

ہو کر بیابان سے دھوئیں کے ستون کی

مانند چلا آتا ہے

یر د شلم کی بیٹیوں نے عشق سے مرصع کیا

ترے بال بکریوں کے گلہ کی مانند ہیں

جو کوہ جلعاد پر بیٹھی ہوں

ترے دانت بھیڑوں کے گلہ کی مانند ہیں

جن کے بال کترے گئے ہوں اور جن کو

غسل دیا گیا ہو

ترے ہونٹ قمری ڈورے ہیں

تری کنپٹیاں ترے نقاب کے نیچے

انار کے ٹکڑوں کی مانند ہیں

تری گردن دادو کا برج ہے

جو سلاح خانہ کے لیے بنا جس پر ہزار

سپریں لٹائی گئی ہیں

تری دونوں چھاتیاں دو توام آہو ہیں

تو سراپا جمال ہے

تجھ میں کوئی عیب نہیں

شہد و شیر تری زبان تلے ہیں

اے باد شمال بیدار ہو، اے باد جنوب چلی آ

یہ کون ہے جس کا ظہور صبح کی مانند ہے

اور علمدار لشکر کی مانند مہیب

(کتاب مقدس ہمدانہ قدیم صفحہ ۶۵۵)

جدہ جو کبھی تھا اب نہیں رہا اور جو ہے وہ بیروت کا ہم زلف ہے، عربوں

کی دولت بیروت کے بعد یہاں نہال ہوتی ہے ایک کھلی مارکیٹ ہے جہاں

یورپ کی تہذیب اپنی مصنوعات سمیت فروخت ہوتی ہے یورپ کی عیش

طلبیوں نے جن چیزوں کو ایجاد کیا یہاں بہتات سے ملتی ہیں۔ کپڑا ہے تو اس کے



بازار لہے ہوئے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر، خیالوں سے نازک کپڑا سوال روپیہ کا نہیں تیل اور سونے نے عربوں کو اتنا پیسہ دے دیا ہے کہ سوال اب اس کے خرچ کرنے کا ہے۔ شیوخ عرب اور امراءے جواز قیمت نہیں لگاتے پیسہ لٹاتے ہیں ان کی دولت خریدار ڈھونڈھتی اور چوکڑی بھرتی ہے۔ جدہ کی ہرات الف یلے کو کو محیط ہے۔ الف یلے کہا نیوں کا مجموعہ ہے کہ اس کے سوداگر محفلیں سجا کر اندوٹوں کی قطار میں ساربانوں کے ہمراہ چلتے اور صحراؤں میں جوت جگاتے تھے۔ اب یہاں اُمویوں کے دمشق کی صبح نگار خانہ اور عباسیوں کے بغداد کی شب بے خانہ ہر لحظہ جواں ہے۔ اس کی مارکیٹ بازار عکاظ کی روایتوں کو جھٹلا چکی اور سوق ذوالمجاز کی حکایتوں سے کہیں آگے نکل گئی ہے عربوں کی زمین کا روضہ اور عربوں کے جسموں کا خون مغرب نے لگا تار کشید کیا اور اب تک کشید کر رہا ہے۔ جدہ کی عمارتیں کشیدہ قامت ہیں کبھی عرب قد آور تھے اب عمارتیں قد آور ہیں جدہ ان کا نوشتہ ہے یہ اس کے براتی۔

میں نے جدہ پریس (وہ ہوٹل جہاں میں واپسی پر ایک دن کے لیے ٹھہرا تھا) سے جدہ کی سڑکوں، شہر کی عمارتوں، سمندر کی لہروں اور سردی جہازوں کا نظارہ کیا۔ پھر یہ سوچ کر آنکھیں بند کر لیں کہ یہ سن مقامی رنگ کے سوا ہر جگہ ہے مجھے وہ حسن تلاش کرنا چاہیے جو مجھے یہاں کھینچ لایا اور میرے دل کے معبد میں سلگتا رہا ہے جس کی میں نے اپنے عشق کے گہوارہ میں کنواری حیا کی طرح نگہداشت کی ہے لیکن آنکھیں بند کر لینے سے حقیقتیں نہیں ٹلا کرتیں۔ میرے محسوسات میں سے اندر مضطربانہ گردنیں لے رہے تھے۔

اور یہ احساس اُس وقت اور شدید ہو گیا جب میں نے سیاسی انسان کی حیثیت سے غور کیا جدہ محض ایک پورٹ ہی نہیں اور یہاں صرف وہی لوگ ہی نہیں آتے جو اس کے بازاروں سے خریداری کرتے ہیں۔ یہاں وہ لوگ بلاناغہ آتے ہوا اور پانی کی سواریوں سے جن کے لیے جدہ مولد اسلام رسالت اور مہبط قرآن کا دروازہ اور جزیرہ عرب کا دیباچہ ہے کیا عالم عرب نے اس دیباچہ پر غور کیا ہے؟ میں دیر تک اپنے دل کو ٹٹوٹا رہا، عقل کچھو کے دیتی رہی، عشق حوصلہ بندھاتا رہا لیکن عشق اندھا ہوتا ہے وہ حقائق کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتا، ناآنکھ تاریخ اپنا پیمانہ لبریز کر دیتی ہے۔

عرب اپنے سوساری دنیا کو عجم (گوناگ)، کہتے رہے ہیں ان کی لسانی نزاکتوں سے کا ملا آگاہ نہ ہونے کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں اب بھی اعتقاد ہے اور شاید وہ اب بھی دنیا کو جو ان سے باہر ہے گوناگ سمجھتے ہیں لیکن ان کی ذہنی رگوں سے جس طرح لہو نہچ رہا ہے اور ان کے دماغ کے سوتے جس تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی عقلیں گنگ ہو گئی ہیں ان کے الفاظ عرب میں ان کے انکار عرب نہیں، وہ اپنی روایتوں کو بھی یورپ کے سہارے زندہ کر رہے اور شمشیر و سناں سے طاؤس درباب میں داخل ہو رہے ہیں جدہ اس کا سر آغاز ہے۔

ہر چند میں اس جستجو میں رہا کہ جدہ میں ارض قرآن کو تلاش کروں افسوس ناگام رہا، ناقہ تلاش کیا، سیارہ (موٹر) پاپا، بڑی بڑی کاریں ہمارے ہاں کی بسنت کی پتنگوں کی طرح اڑتی پھرتی ہیں۔ لمبی لمبی ایرکٹڈ اینڈ کاریں جو خود یورپ استعمال



نہیں کرتا یہاں فراٹے بھرتی چلی جاتی ہیں یہ ان اونٹوں کا بدل ہیں جن کا تذکرہ کلام اللہ میں ہے اور جو اپنے فافوں کو لے کر محاذوں پر پڑاؤ کرتے اور حملیں سجا کر دروازہ کی دایاں قطع کرتے تھے کسی کو نہ کھدرے میں شاید کوئی ناقہ یا ساربان ہو اور ممکن ہے کسی شتربان کے ساتھ کوئی حدی خواں بھی ہو لیکن میری تلاش میرے ہر کاب رہی اور میں ڈھونڈھنے کے باوجود انہیں پا نہ سکا۔

وہ اونٹ جو فتح مکہ کے وقت اپنے بہترین سواروں کو لے کر حدودِ حرم میں داخل ہوئے تھے اور وہ ناقہ جس کی ہمارے فاروقؓ نے بیت المقدس کی فتح کے وقت اس طرح تھام رکھی تھی کہ غلام سوار تھا اور امیر المومنین اپنی باری پٹانے کے لیے پیدل چل رہے تھے اور وہ اونٹ جو عائشہ صدیقہؓ کو پیچھے چھوڑ کر چل نکلا تھا کہ واقعہ انک وضع ہوا نتیجتاً سورہ نور نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُم المومنینؓ کی عفت کے آئینہ کو جبریل کی معرفت وحی کے فانوس سے روشن کیا وہ اونٹ آج جدہ ہی نہیں پورے عرب سے عقدا ہو گیا ہے اب طیارے ہیں یا سیارے اور سیارے تو اس طرح اڑتے پھرتے ہیں جس طرح انواہیں بے قابو ہو کر پھیل جاتی ہوں۔

اکا دکا جسموں پر عربوں کے روائتی مشلے (عبائیں، ثوب، لمبی قمیص) اور سرس پر غترہ و عقال مل جاتے ہیں لیکن رسماً اور اس وقت جب ان کے ماضی کی وضعداریاں انہیں چھوڑتی ہیں ورنہ ساکنانِ جدہ جن میں مختلف ملکوں کے باشندے اور عرب ریاستوں کے عیسائی حتیٰ کہ بھارتی ہندو بھی شامل ہیں ایک مخلوط معاشرت اور اس کے ظواہر میں رچ بس گئے ہیں۔

مسجیدیں بھی ہیں لیکن ایک دو مسجدوں کے سوا کوئی مسجد پر شکوہ نہیں۔ ان دو مسجدوں پر شکوہ کا لفظ وارد نہیں ہوتا۔ مسجد حنفی بھی ہے مسجد مالکی بھی، مسجد شافعی بھی اور مسجد عکاشہ بھی۔ مدینۃ الحجاج میں بھی خوب صورت مسجد بنی ہے مگر ان مسجدوں سے ایک فرض کا احساس ضرور ہوتا ہے کسی شکوہ کا، نہیں۔ کپڑا مارکیٹ کے بغل میں ایک ٹیڑھی ٹیڑھی گلی ہے اس گلی میں ایک چوڑی سی مسجد ہے اس طرح کی مسجد جیسی مسجدیں ہمارے ملان دیہات میں ہوتی ہیں بدویت کی یادگار! لیکن تدار عمارتوں کے پہلو میں اس کا وجود الف کے ساتھ ہنزہ کی طرح ہے۔ ان مسجدوں پر بلا بلند مینار نہیں یہ ادھر ادھر کی سنگی عمارتوں کو اس طرح ٹکڑ ٹکڑ دیکھتی ہیں جس طرح خدمتگار عورتوں کے بچے ماکن کی بہو کے سولہ سنگار کو دیدے پھاڑ کر تکا کرتے ہیں۔

جدہ کے لغوی معنی پر میں نے غور نہیں کیا عربوں میں کوئی نام بغیر مفہوم کے نہیں ہوتا خود لفظ عرب کے کئی معنی ہیں۔ مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ عرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری کے ہیں اسی لیے عرب بچے سواتام دنیا کو بچم کہتے رہے یہ محض نکتہ آفرینی ہے علمائے انساب کے نزدیک چونکہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا لہذا اسی کے نام پر ملک کا نام پڑ گیا۔ اہل جغرافیہ نے عرب کا پہلا نام عربہ لکھا ہے جو تخفیفاً عرب ہو گیا اور یہی قوم کا نام قرار پایا۔ سید سلیمان ندوی نے اسد بن جاحل ابن منقذ ثوری، ابوسفیان مکی اور ابوطالب کے بعض اشعار کا حوالہ دے کر اس کی توثیق کی ہے اور یہ قرین حقیقت ہے کیونکہ تمام سیاسی زبانوں میں عرب صحرا اور بادیاہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا نام عربہ اور پھر عرب ہو گیا۔



قرآن مجید میں عرب کا لفظ ملک عرب کے لیے کہیں نہیں بولا گیا حضرت اسماعیل کی سکونت کے ذکر میں دادی غیر ذی ذرع یعنی دادی ناقابل کاشت بولا گیا ہے اور یہ لفظ عرب کا لغوی ترجمہ ہے حضرت مسیح سے ایک ہزار برس پہلے حضرت سلیمان کے عہد میں لفظ عرب کے استعمال کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جدہ کا نام حضرت عثمان کے وقت رکھا گیا پہلا نام شعبیہ تھا۔ جدہ ٹھیک ٹھیک وہاں تو نہیں لیکن اس سے ہٹ کر اس کی جگہ آباد کیا گیا۔ السنہ کی ایک روایت کے مطابق جدہ کے معنی ساحل کے ہیں ایک دوسری روایت کے مطابق وہ حصہ جہاں زمین پانی سے کٹ جاتی ہے لغت میں جدہ کے معنی دادی اور نانی کے بھی ہیں۔ یہاں حضرت حوا کی قبر ہے ممکن ہے اسی رعایت سے اس کا نام جدہ کر دیا گیا ہو جدہ اب نانی ہے نہ دادی وہ نئی تہذیب کی ساحلی مجوہاتوں میں سے ایک ہے شعرائے عرب میں سے کسی نے کہا ہے

”محبوبہ کے دو حصے ہیں ایک سراسر محبت کے لیے دوسرا شوہر کا جس پر کبھی آپر نہیں آتی۔“

جدہ انہی شاعروں کے تصور و تخیل کا سراپا ہے لیکن محل سے باہر آچکا اور تہذیب کے ہاتھ میں تیغ برآں کی طرح ہے اب امرؤ القیس ہے نہ نابغہ زبیریانی زہیر بن ابی سلمیٰ ہے نہ عترة غنسی، عمر بن کثوم ہے نہ طرفہ بن العبد العتشی قیس ہے نہ حارث بن حلزہ لبید بن ربیعہ ہے نہ امیہ بن ابی العلت، کعب بن زمرہ ہے نہ عمرو بن معدیکوب، خنساء ہے نہ حسان بن ثابت! حطیبہ ہے نہ نابغہ الحمدی، عمر بن ابی ربیعہ ہے نہ خنظل فرزدق ہے نہ جریر جعفی ہے نہ ابوتمام ابو العلاء معری ہے نہ شریف رضی اب ان کے

تذکرے ہی رہ گئے ہیں جدہ شاید ان تذکروں سے بھی خالی ہے۔ اس کے چہرے مہرے پر قدامت کی برائے نام تیوری بھی نہیں چڑھی ہے وہ ان ٹھنڈیوں پر گزارا نہیں کر رہا۔ بلکہ اس کی سچ وچ انگور کے خوشوں سے چڑھی ہوئی تازہ شراب ہے اس کی عرب روایتیں وید و شنید سے نکل چکی ہیں کہانیاں چلا کرتی ہیں مجھے ان کہانیوں سے کوئی سروکار نہیں لیکن تہر سلطان نے پورے شہر کو جرائم سے محفوظ کر دیا ہے چہرے آوارہ نگاہوں سے مصئون میں اور حبیبی فن کاروں سے! قطع یہ کہ خوف اور سرگم کئے جانے کے اندیشہ نے مجرموں کی کوکھ بانجھ کر دی ہے یورپ اور ایشیا کے بڑے شہروں کی طرح یہاں مجرم کھلیں نہیں بھرتے آپ سنا اچھالتے نکل جائیے کوئی میل نگاہ نہیں اٹھے گی نصف صدی پہلے بدحجاب کو لوٹ لیتے اور قافلوں پر چڑھ دوڑتے تھے۔ عبدالعزیز ابن سعود نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ آج ”ہندب“ ملکوں کے مقابلہ میں اس ”غیر مہذب“ ملک میں سب سے کم جرم ہوتے ہیں ان جرائم کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا جن سے یورپ اور امریکہ مالا مال ہیں تعزیراتی سخت ہے کہ جرم کا حوصلہ پیدا ہی نہیں ہوتا کوئی جرم ہے تو انڈر گراؤنڈ کوئی کھلا گناہ نہیں اور کوئی آوارہ نگاہ نہیں مسلمان عرب عورت بازار کی ہرنی نہیں اور نہ وہ کھلے منہ پھرتی ہے غیر ملکی نا مسلمان عورتیں اکا دکا ادھر ادھر پھرتی نظر آتی ہیں لیکن آپ ان کا جائزہ نہیں لے سکتے اور نہ آپ کی نگاہیں ان کا تعاقب کر سکتی ہیں۔

میں جدہ پولیس کی کھڑکیوں سے شاہ سعود کے محل کا نظارہ کرتا رہا اس کی بیرونی دیوار پر برسیاں ہیں اور ان برسیوں میں شام ہوتے ہی ہنڈ سے روشن ہو جاتے ہیں جیسے پشواؤں پر بادے جڑ دینے ہوں یا کسی دلہن کے روپڑ پر گوٹے کے پھول کھلے ہوں۔



توس قزح کے رنگوں کی طرح محل جگمگاتا ہے معلوم ہوتا ہے فلک سے ستارے اتار کر  
قصر شاہی میں ٹانگ دیئے ہیں۔

سعودی حکومت نے عہد رسالت مآب کے آثار صحابہ کرام کے مظاہر اور  
اہلبیتؑ کے شواہد اس طرح مٹا دیئے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر محفوظ کرنی  
چاہیے تھیں وہ ڈھونڈھ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی کتبہ یا نشان نہیں لوگ بتاتے  
اور ہم مان لیتے ہیں حکومت کے نزدیک ان آثار رفیض اور مظاہر و مقابر کا باقی رکھنا  
بدعت ہے عقیدہ توحید کے منافی ہے سنت رسولؐ کے خلاف ہے لیکن عصر حاضر  
کی ہر جدت جلد ہی میں نہیں پورے حجاز میں موجود ہے بلکہ بڑھ پھیل رہی ہے کیا  
قرآن و سنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا؟ شاہ فیصل کی تصویریں ہوٹلوں میں لٹک رہی  
ہیں انہیں حکومت نے خود ہی کیا ہے ایئر پورٹ پر اترتے ہی شاہ فیصل کی تصویر  
منظر پر پڑتی ہے قبوہ خانوں اور رستورانوں میں ان تصویروں کی بہتات ہے لیکن اس  
میں کوئی بدعت نہیں! بدعت اسلاف کی یادیں بنانے اور باقی رکھنے میں ہے؟  
عمر فاروقؓ کے پاس مصر کے گورنر عیاض بن غنم سے متعلق رپورٹ پہنچی کہ وہ  
باریک کپڑا پہنتا ہے حضرت عمرؓ نے اپنے پولیس آفیسر محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاؤ  
اور عیاض کو جس حالت میں پاؤ پکڑ کر لے آؤ جب عیاض بن غنم گرفتار ہو کر حضرت  
عمرؓ کے سامنے پیش ہوئے تو وہ انہیں کپڑوں میں تھے حضرت عمرؓ نے وہ کڑتے اڑوا  
کر بالوں کا کڑتہ پہنایا پھر بکریوں کا ایک لگا منگوا کر ان کے سپرد کیا اور کہا کہ تم  
انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں جاؤ اور بکریاں چرایا کرو۔

لیکن اب اُمرائے حجاز شیوخ عرب اور خاندان شاہی سونے اور چاندی کے

تار سے کچے ہوئے ریٹم میں تانے اور قائم کے گدوں پر سوتا ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ ایران کے فاتح تھے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے کوفہ  
میں ایک محل بنوایا ہے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا جاؤ اور اس محل کو آگ لگا دو خارجہ بن حذاف  
نے مصر میں در منزل مکان بنوایا حضرت عمرؓ نے مصر کے گورنر عمر بن عاصؓ کو لکھا دوسری  
منزل فوراً گرا دو اس سے ہسپاروں کی پردہ دری ہوتی ہے۔

لیکن وہ دور لہ گیا سارے عرب میں ایک بھی عمرؓ نہیں پائی بہہ جائے تو موطا  
انہیں لوگ ماضی کے شیدائی ہوتے ہیں لیکن ماضی کو پی نہیں سکتے اور نہ وقت پلٹ  
کے آتا ہے وہ لوگ خدا کی زمین پر قدرت کے عطیہ تھے انہیں قرآن نے اپنے مزاج  
میں ڈھالا تھا وہ حضور سرور کائناتؐ کی ہم نشینی کے آب گل سے تیار ہوئے تھے انہیں  
منشائے ایزدی اور منشائے رسالتؐ کا پورا پورا علم تھا ان کی سیرتیں معجزہ الہی تھیں  
خلافت راشدہ لوٹ سکتی ہے؟ خلفائے راشد آسکتے ہیں؟ خیالوں کے اس گرداب  
میں۔۔۔ وہ رات جس سے اگلی صبح مجھے کراچی لوٹنا تھا تاہم کمر پہنچے تاک کہٹ گئی میں  
نے جدہ پریس کے گداڑ بستر پر ایک ہی رات میں کئی صدیاں گزار دیں حتیٰ کہ قرنِ اول  
میں پہنچ گیا انسانوں کا وہ عظیم الشان قافلہ یاد آگیا جو ازل سے ابد تک کے سب  
سے بڑے انسان کی سیادت میں کھجور کی چٹائیوں پر سوتا اینٹوں کے تکیے بناتا اور  
فرش پر لیٹ کر عرش سے ہمکلام ہوتا تھا۔ وہ لوگ اللہ کی رضا میں ڈھلے ہوئے تھے  
ان کی مجلس کھجور کے درخت اور روضا مسجد نبویؐ کے حجرے تھے جنہیں کھجور کی ٹہنیوں  
سے کھڑا کیا گیا کچی اینٹیں لگائی گئیں اور دروازوں پر بلور یا پٹرا ہوا تھا ان کے قالین  
کانٹوں سے تیار ہوتے تھے۔



اسی سوچ میں مستغرق ریڈیو کھولا تاہم بول رہا تھا وہ آواز کسے میں رجو تھا میں نے آواز کا پیچھا کیا بول تھے۔

ہم عرب ہیں۔

ہمیں نیزے کی انی تلوار کے زخم گھوڑے کی پیٹھ جنگ کا طبل لشکریوں کا علم اور محاذوں کی شدت بخوبی جانتی اور پہچانتی ہے!

ہم عرب ہیں۔

ہم نے تاریخ کو صدیوں تک بہت کچھ دیا ہے

تاریخ ہمارا قرض چکا کے رہے گی

ساربان اناؤ کی رفتار تیز کر

ہم ان سے نہیں ہر سکتے جو اللہ کے نزدیک گمراہ بھی ہیں اور مغضوب بھی۔

ہم عرب ہیں۔

۵ نومبر (۱۹۶۹ء) کو صبح سوانہ بجے جہاز کو کراچی سے جدہ کے لیے اڑنا تھا لیکن پورے گیارہ بجے اڑا اور بحرین میں پھرتا ہوا دہاں سے ایک گھنٹہ پینتالیس منٹ میں جدہ کے ایئر پورٹ پر پہنچ گیا۔

پچھلی رات میں نے کراچی ایئر پورٹ کو مڑتی ہوئی سڑک کے سامنے واقع ہوٹل ڈی فرانس میں کافی ہوٹل ڈی فرانس میسر مذاق اور میلان کے منانی تھا لیکن پی آئی اے کے رابطہ انسر کا چناؤ تھا اور مجھے صرف رات ہی بسر کرنا تھی۔ صبح سویرے اٹھا غسل کیا نماز پڑھی احرام باندھا۔ قدرے جھجک محسوس ہوئی کہ اچھا خاصا آدمی لپٹ کے رہ جاتا ہے لیکن احرام باندھ چکا تو کیا ہی پلٹ گئی۔ محسوس ہوا گویا دنیا ہی دوسری ہے۔ ایک اتھراؤ خون میں گردش کرنے لگا ایک نشہ ایک سرد درگ دریشہ میں دوڑ گیا۔ ایئر پورٹ پہنچا تو دہاں بارہ چودہ آدمی جن میں اکثریت اٹھارہ سے بائیس برس کے مبینہ نوجوانوں کی تھی احرام باندھے موجود



تھے میں نے اپنے دل کو ٹٹولنا چاہا کہ احرام باندھنے سے پہلے اس کو جھجک کیوں  
 ہوئی؟ پھر خود ہی اس خیال سے اطمینان ہو گیا کہ عشق کی دہلیز  
 پر قدم رکھتے ہی اس قسم کی جھجک عموماً ابھرتی ہے ممکن ہے یہ جھجک اس لیے  
 پیدا ہوئی ہو کہ احرام کا بھی ایک مطالبہ ہے دل میں غیر اللہ ہو، خوف یا شرک دونوں  
 حالتوں میں احرام کی غیبت ان کے اخراج کا مطالبہ کرتی ہے۔ لبیک اللهم لبیک لبیک  
 لا شریک لک لبیک انت الحیید والنعمتہ لک والملك، لا شریک لک کہنا  
 آسان نہیں جب تک دل شرک اور خوف سے وصل نہ جائے احرام سے جو شخصیت  
 پیدا ہوتی وہ ابھرتی نہیں مدھم رہتی ہے میرا دل شرک اور خوف دونوں سے تہی تھا  
 اور ہمیشہ ہی رہا لیکن جھجک پیدا ہوئی تو شاید اس لیے کہ احرام ہر شخص باندھ لیتا  
 ہے لیکن اس کی رفعت ہر شخص کے حصہ میں نہیں آتی ہر حال احساس کی ایک لہر  
 تھی آنکھ کی جھپکی میں نکل گئی زندگی خوشیوں اور غموں کا مجموعہ ہے بعض غم مسرت افزا  
 ہوتے ہیں بعض خوشیاں غم افزہ لیکن اس خوشی کے بے پناہ ہونے میں رتی بھر شک  
 نہ تھا یہ پانگ کے سونے کی طرح خالص خوشی تھی اس میں کوئی ملاوٹ اور کوئی آمیزش  
 نہ تھی۔

عشق کی محرومی یہ ہے کہ زبان نہیں رکھتا ہم اس کی ترجمانی کے لیے جوالفاظ  
 بولتے ہیں وہ اس کے ترجمان نہیں ہوتے جذبات کا ادھورا عکس ہوتے ہیں۔  
 جس طرح بعض چیزوں پر کاغذ کی تہیں چڑھا دی جاتی ہیں اسی طرح عشق الفاظ  
 کی تہوں میں لپٹ کر مدفون ہو جاتا ہے اس سے بڑی فخر و مسرت کی بات کیا ہوتی  
 کہ طلبی ہوئی اور میں روانہ ہو گیا۔

دل اور جہاز دونوں اڑتے چلے جا رہے تھے بحرین کے ہوائی اڈے پر  
 جہاز ۴ منٹ ٹھہرا یہاں سے عرب شروع ہو جاتے ہیں لیکن انگریزوں کے تقرنات  
 نے بحرین کو تاج کر دیا ہے ایئر پورٹ پر شراب کی ایک کھلی دکان ہے ادھیڑ  
 عمر کی ایک دلندیزی عورت اس کی ہنتم ہے وہ ہر نوعی شراب کی بوتلوں کے پیش منظر  
 میں کھڑی مسافروں کو گھورتی اور پچھارتی ہے فریہ اندام جیسے سفید تھیلے میں گودا بھرا  
 ہو چہرے پر پیلے رنگ کی بندیاں ہیں جیسے کسی سفید کاغذ پر تجریدی آرٹ کی  
 مشق میں سیاہی کے قطرے ٹپک گئے ہیں۔ یہ عورت غالباً ان بوتلوں کے ساتھ  
 ہی درآمد کی گئی ہے بحرین عربوں کے حاشیہ میں یورپی تہذیب کا دم داپس ہے  
 استعمار نے اس کا خون نچوڑ لیا اور اس کی جگہ شراب دے گیا ہے۔

پاکستان کے ساحل سے حجاز کے ساحل تک عدن، البو ظبی، کویت، بحرین، اسقط  
 وغیرہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں نفس کی حکمرانی ہے۔ ان کے والی  
 شکروں سے شکار کرتے ہیں۔ ہر نوعی شکار پرندوں سے لے کر عورتوں تک کا  
 شکار ان کے امراء مسلمان کھلانے کے باوجود قبل از اسلام کے ایام جہالت میں  
 میں زندگی بسر کرتے اور اپنے حقیقی شرف کو بھول چکے ہیں ان کے لیے تیل کے چشموں  
 نے دولت کے پٹ کھول دیئے ہیں ان کی زمینیں دولت انگلی اور نفس عیش مانگتے  
 ہیں ان کے حرم حسن و جوانی کے مذبح میں یہ زندگی گزارنے کے لیے نہیں زندگی  
 نچوڑنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

میں نے بحرین کے ہوائی اڈے پر کسی عرب کے چہرے کو شگفتہ نہیں پایا  
 وہ غیبت جو رونق پیدا کرتی ہے ان کے چہروں سے اڑ چکی ہے عرب دنیا میں امیر



اور غریبوں کے درمیان واضح طور پر حد فاصل کچی ہوئی ہے امداد زندگی گذارتے ہیں اور غرباء کو زندگی بسر کرتی ہے نئی نسلیں ان سے ابا کرتی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا عرب کا نیا خون کب تک اسلام کا ساتھ دے گا اور اسلام کب تک انہیں ساتھ لے کر چلے گا۔ وہ قیامت ضرور آئی چاہیے اور اگر رہے گی جس کی خبر قرآن نے دی ہے یہ تمام اس کی نشانیاں ہیں جو بحرین سے جدہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔

بحرین سے اُڑتے وقت تھوڑی دیر تک میں غیر متوازن خیالوں کی کش مکش میں الجھا رہا انکار کے طلوع و غروب کا ایک عجیب سلسلہ تھا جس نے میرے دل و دماغ کو ہلا رکھا تھا لیکن جلد ہی میری سوچ پر میرا عشق غالب آگیا۔

ایئر ہوٹل نے کہا تھوڑی سی دیر میں ہم جدہ کے ایئر پورٹ پر اترنے والے ہیں۔ اُمید ہے آپ کا سفر خوشگوار گزرا ہو گا میں نے بھروسہ سے باہر جھانکا تو پہاڑی سلسلے کا کھوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور پھر تھوڑی سی دیر میں ہم جدہ کے ایئر پورٹ پر اتر گئے۔

لبیک اللہم لبیک پاسپورٹ وغیرہ کی چیکنگ تو فوراً ہو گئی تکلیف نہ تاخیر لیکن کسٹم والوں نے دو گھنٹے تک گھیرے رکھا ان کے ہاں سب سے زیادہ خطرناک چیز کتابیں اخبار اور رسالے ہیں۔ اصل وقت زبان کی ہے کلام اللہ کا اور ترجمہ بھی یہاں روک لیا جاتا ہے لیکن لبنان کے عربی جواہر در رسائل بالخصوص جس میں حوّا کے بیٹوں اور زلیخا کی ہم نشینوں کا نعرہ نمایاں ہوتا ہے۔ ہر قدغن سے آزاد ہیں وہ روزانہ آتے اور روزانہ جکتے ہیں حرمین شریفین کے آس پاس کی دوکانوں میں جکتے ہیں اور ان کی خریداری عورتوں میں بکثرت ہوتی ہے۔ ان برہنہ و نیم برہنہ رسالوں پر کوئی پابندی نہیں پابندی اس لٹریچر پر ہے جس کے متعلق یقین کیا شبہ ہو کہ اس

میں مزاج شاہی پر چوٹ کی گئی ہے۔

نازک مزاج شامان تاب سخن نہ دارد

شراب، چرس اور کتاب تینوں پر کسٹم کی نگاہیں رہتی ہیں۔ لطف یہ کہ کتاب یا رسالہ کسٹم سنسر نہیں کرتا وہ محکمہ تعلیم کے پاس جاتا اور محکمہ تعلیم کے ارکان کی مرضی پر ہے کہ وہ مہینوں اور مہینوں میں سنسر کریں۔ چاہے روک لیں چاہے پاس کر دیں میں اپنے ساتھ علامہ اقبالؒ کے خطبات و کلمات کا مجموعہ فیضان اقبال لے گیا تھا لیکن روک لیا، میں پندرہ روز رہ کر واپس آگیا "فیضان اقبال" سنسر نہ ہو سکا کتابیں ان کے سنسر آفس میں کوڑا کرکٹ کی طرح پڑی رہتی ہیں۔ قرآن پاک کے ترجمے بھی ان میں گڈ ٹھہرتے ہیں کوئی تخصیص یا کوئی احترام نہیں بس جو شخص دماغ بیٹھا ہے اس کی مرضی کا نام سنسر ہے اور اس کی فرہت کا نام وقت، میں نے کسٹم کے مہتمم سے بہتیرا کہا کہ ان کتابوں میں کوئی بات مضر نہیں یہ تو اس شخص کے کلمات کا مجموعہ ہے جو حجاز کے عشق میں گدھا ہوا تھا لیکن اس نے پٹھے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا۔ آخر فیضان اقبال کے نام نیچے وہیں چھوڑے باہر کچھ دوست انتظار کر رہے تھے اور سبھی میسرے لیے نئے تھے میں ان سے کہی نہیں ملا تھا انہیں مختلف واسطوں سے ایک محبت کھینچ لائی تھی ہمارے رفیق قلم اقبال سہیل تھے اس سے پہلے انہیں رکھا تک نہیں تھا لیکن قلم کی رنات نے رشتہ خاطر پیدا کر دیا تھا مخنی قامت لیکن ذکاوت میں کہسار، ملک عباس حین جن کے نام سے یہ ادراک منسوب ہیں انجمن فلہان، میں تھے انہیں بھی دیکھا نہیں تھا لیکن میسرے اس سفر کی دستگیری کر رہے تھے۔ ان کی طرف سے افضل میڈیکل سٹور کے مالک فضل حق موجود تھے انہوں نے بتایا کہ



ملک صاحب کل پرسوں تک آ رہے ہیں آپ کے لیے پندرہ سو ریاں کا ڈرائیو بھجوا دیا ہے اور آپ ان کے جہان میں ایک ایسا دوست جس سے میں آج تک نہیں ملا تھا۔ اس کا یہ احسان میرے لیے انعام ایزدی تھا۔ فضل حق کے ہمراہ ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک نوجوان محمد اشفاق قریشی اپنی کار لے کر آئے تھے راؤ محمد اختر اور ان کے بعض دوست جماعت اسلامی کی وجہ سے تشریف لائے تھے ان سب دوستوں سے مصافحہ اور معافہ کیا پھر اپنی بے مائیگی کی سرفرازی سے خوش ہو کر ان کے ہمراہ ہو گیا۔ میرے دل کی بوجھت تھی قلم سے سمیٹنا مشکل ہے نسیم حجاز سے مشام جاں معطر ہو رہا تھا میں بیت اللہ اور رسول اللہ کی سرزمین میں آچکا تھا۔

ایک عام کیفے میں جو سڑک کے کنارے واقع تھا قہوہ پیا کچھ اس میں سرور تھا کچھ عشق نے سرور پیدا کیا وہ آتش ہو گیا یہ تھا آقاؐ کے گیتی پناہ کے ہاں پہلا مشروب۔  
بہ عذر خواہی رندان باور نوش آید

میں ظہر کے وقت جدہ پہنچا اور عصر کی نماز بیت اللہ میں پڑھنا چاہتا تھا دل چلا ہوا تھا کہ جلد سے جلد بیت اللہ پہنچوں، ہم چاروں فوراً روانہ ہو گئے موٹر خراٹے بھرنے لگا مکہ مکرمہ تک دہری سڑک ہے ایک سے موٹریں آتی اور دوسری سے جاتی ہیں۔ وسط میں وہ بازوؤں کی طرح بجلی کی ٹیڑھی پھیلی ہوئی ہیں آزد بازو پہاڑوں کا زاویہ بنا ہوا سلسلہ ہے اس کے بچوں بیچ سڑک اس طرز نکلتی ہے جس طرح کسی دو شیزہ کی ٹانگ نکلی ہو جدہ کی بھیڑ چھٹ جاتی اور دہلیزیوں کے آدینے ایک حد پر ختم ہو جاتے ہیں پھر پہاڑ سڑک کا ٹالہ کرتے یا سڑک پہاڑوں میں بہتی ہوئی چلی جاتی ہے اتنی صاف سڑک کہ ہر چیز ستھری نظر آتی ہے محبوب کے راستے ہمیشہ دل فریب

ہوتے ہیں آخر تک پہاڑ ہی پہاڑ ہیں مرصع و مسجع عبارتوں کی طرح صدیوں کا بوجھ آتی ہوئے گلاب منہ میں گھنگھنیاں ڈالے کھڑے ہیں لیکن کبھی گویا ہوں گے آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو سراندر پ سے ہوتے ہواتے عرب پہنچے تھے حضرت حوا کی قبر جدہ ہی میں بیان کی جاتی ہے اللہ کے نبیوں اور رسولوں میں جانے کون یہاں سے گزرا ہوگا؟ یہ پہاڑ تب سے اب تک کھڑے ہیں، چپ چاپ، جیسے یہ کہہ رہے ہوں؟

گوشن نزدیک لمبہ ارکہ آواز سے ہست

پہاڑ کیا؟ دھرتی کے جوڑے کی گندھاٹ، میں ان کے کئی سلسلے اور کئی نام ہیں جبل قائم پر گماں ہوتا ہے کہ زمین نے اپنا علم گاڑ رکھا ہے اور جبل غامہ گویا دھرتی کے سر پر غامہ بندھا ہو۔ جدہ کے حدود سے نکلنے ہی گاؤں شروع ہو جاتے لیکن سارے راستہ میں چھ سات بستیاں ہوں گی حجرہ ہے جہاں پولیس کی چوکی ہے اور پاپورٹ وغیرہ کی پھان پھٹک ہوتی ہے اس کے بعد وادی فاطمہ ہے سرسبز زرخیز کساری وادی قدرتی چشموں کے پانی سے میراب ہوتی ہے یہاں سبزیاں اور پھل بکثرت ہوتے اور دساد کو جاتے ہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا قدیمی راستہ اسی وادی سے گزرتا ہے حضرت نے ہجرت کی تو اسی راستہ سے گئے تھے ساڑھے تیر سو برس بیت چکے ہیں لیکن قدموں کی چاپ اب بھی سنائی دیتی ہے اس سے کچھ آگے حد کا گاؤں اور اس سے ملحق حدیبیہ ہے یہیں سے حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں کتبہ لگا ہوا ہے کہ اس کے اندر کوئی نامسلمان داخل نہیں ہو سکتا ہم نے موٹر روک لی کہ دو نفیل پڑھ لیں دیہاتی انداز کی ایک مسجد جانے کس زمانے سے چلی آتی ہے۔



باہر کچھ لوٹے پڑے ہیں ایک بددلت کا پانی لایا ہم سب نے باری باری وضو کیا غسل پڑھے، میں وضو کر رہا تھا بددلت کا ٹانگ پکار رہا تھا یا شیخ — لیکن میں یا شیخ کے سوا کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔ فضل حق سے کہا یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے وہ مکرانے اور بتایا کہ یہ کہتا ہے اے شیخ تمہارا وضو نہیں ہوا دائیں ٹخنے پر پانی نہیں پڑا وہ خشک ہے تو کر لو۔ حدیبیہ کے میدان میں کھڑے ہو یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کا آخری نبی اور اس کے جانشین ساتھی آئے تھے۔ ہسپل نے بتایا کہ وہ دائیں طرف کی پہاڑیوں کے عقب میں کفار مکہ لشکر تھا اور احزاب میں ایک پہاڑی کے دامن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چوہہ سولشکریوں سمیت فروکش تھے۔ جہاں بیعت رضوان ہوئی۔ اس درخت کی جڑیں حضرت عمرؓ نے شرک کے خوف سے اکھاڑ دی تھیں اب وہ جگہ جہاں صلح نامہ حدیبیہ لکھا گیا ایک چار دیواری میں محفوظ کر دی گئی ہے لیکن اس پر کوئی تختی یا کتبہ نہیں۔

حدیبیہ مکہ معظمہ کے پڑوس میں دس میل کے فاصلہ پر ہے گاؤں بھی ہے اور کنواں بھی، کنوئیں کی وجہ سے گاؤں کا نام پڑا یا گاؤں کی وجہ سے کنواں حدیبیہ ہو گیا۔ ہر حال صلح حدیبیہ نے اس کو زندہ جاوید کر دیا کہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ کے لیے روشن ہو گیا۔

ہسپل نے بتایا کہ وہ سامنے کے پہاڑوں میں حضورؐ نے مکہ سے مدینہ کا سفر اختیار کیا اور انہیں کاٹتے ہوئے وادی فاطمہ کی سمت سے مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔ میں نے پہاڑوں پر نظریں جمادیں اور رنگاہوں سے ذرہ ذرہ کو بوسہ دیتا رہا ہر نگاہ قدم چومتی گئی اور ہر سانس میں وہ آوازیں گھلتی رہیں جو ازل سے ابد تک کے ان عظیم

انسانوں کے حلق سے نکلیں اور خلق تک پہنچی تھیں میں نے قزوں کا سفر آن واحد میں طے کر لیا۔ عروہ قریش کے نمائندہ ہو کر آئے اور جا کر ان سے کہا میں نے قیصر دیکھی و نہایتی کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو دانشگری اور شیفتگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے ساتھیوں کو ہے وہ دیکھی نہ سنی، وہ بات کرتے ہیں تو ساتھی گوشش برآواز ہو جاتے کوئی نظر بھر کر نہیں دیکھتا وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے وہ اس پر لوٹ پڑتے ہیں لعاب دہن گرتا ہے تو عقیت مند چہروں اور ماتحتوں پر مل لیتے ہیں قریش کہاں مانتے وہ لڑائی کی ٹھکان کے نکلے اور مکہ سے باہر ہمدردی میں جمع تھے حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا کہ مکہ جائیں اور قریش سے کہیں کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں اس کے بعد لوٹ جائیں گے وہ آئے تو افواہ اڑ گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے حضورؐ تک خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا خون عثمانؓ کا قصاص لینا فرض ہو گیا ہے اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ عشق نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ببول کا درخت تھا اور حضورؐ ساتھیوں سے بیعت لے رہے تھے۔

خیال نے ایک اور کردار کی معاہدہ حدیبیہ لکھا جا رہا ہے حضرت علیؓ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو عمر بن ہبیل نے اعتراض کیا کہ باسک اللهم۔ لکھیں حضورؐ نے منظور فرمایا حضرت علیؓ نے لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہؐ نے تسلیم فرمایا، عمر بن ہبیل نے دوبارہ اعتراض کیا کہ ہم آپؐ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو میں حضورؐ نے فرمایا گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم میں اللہ کا پیغمبر ہوں حضرت علیؓ کو حکم دیا خالی میرا نام لکھو علیؓ ہچکچائے وہ رسول اللہؐ کے الفاظ کیونکر مٹاتے؟ حضورؐ نے ان الفاظ پر خود قلم پھیر دیا۔ عمر بن ہبیل نے معاہدہ اٹھایا تو حدیبیہ کے پہاڑوں



نے کہا اس کی عمر زیادہ نہیں کہاں جاتے ہو ہم اپنے دامن پر یہ الزام لینے کو تیار نہیں کہ  
اللہ کا آخری نبی یہاں سے عمرہ کیے بغیر مر گیا تھا۔

حضور تین دن حدیبیہ میں ٹھہرے۔ مدینہ لوٹے تو راہ میں یہ سورۃ اُتری۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا (فتح)

(ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔)

— اور حدیبیہ کے پہاڑ اگلے سال سچے ہو گئے۔

ان پہاڑوں کے بیچ و خم اور ان راستوں کے زیر و بم پر انسان دنگ رہ جاتا ہے  
کہ چوڑے سو برس پہلے وہ قافلہ گھر سے کس طرح نکلا اور کس طرح مدینہ پہنچا ہوگا لیکن وہ ایک  
انسان کا نہیں اللہ کے ایک پیغمبر کا سفر تھا۔ جو آخری حجت کے طور پر مبعوث کیا گیا  
اس کے لیے مشیت ایزدی نے پہاڑوں کی مسافت کو سہل اور راستوں کی مشکل کو  
آسان کر دیا تھا

میں بیت اللہ کے تصور میں اتنا گم سم تھا کہ گرد و پیش — تاکنے جھانکنے کا سوال  
ہی نہ رہا تھا۔ بلکہ اللہ بیک کہتے ہوئے ہم کہیں آگے نکل چکے تھے پوری فضا میں  
تکبیریں سانس لے رہی تھیں اور پہاڑوں سے ان حدی خانوں کے لہجے سنائی دے  
رہے تھے جو امتداد زمانہ کے ساتھ داصل بحق ہو چکے تھے۔

میسرے کانوں میں اَلَا یٰخِیْمُی خَیْمَہ فُؤٰدِہ کی صدائیں گونج رہی تھیں میں قرنِ اول  
میں سے گزر رہا تھا تاریخ پلٹے کھا رہی تھی ورق پہ ورق لٹے جا رہے تھے۔ کبھی یہ  
شاہراہیں، پگڈنڈیاں تھیں جنہیں بدوؤں کی منتقل و حرکت نے بنایا اور قافلوں کی آمد و  
رفت نے سنو لہا تھا۔ میں نے سلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کی مسافتوں کو یاد کیا

وہی انسان وہی شخصیتیں آج بھی تھیں جلال بھی تھا جمال بھی — سیدنا ابراہیم اور حضرت  
یاجرجہ کس راستے سے آئے اور لوٹے تھے۔ تاریخ کی وہ صحتیں سامنے نہ تھیں لیکن عشق کی  
مشعلوں نے وجدان کے راستے روشن کر دیے تھے۔ اور میں دیکھ رہا تھا کہ ابراہیم اور یاجرجہ  
مکہ کی پہاڑیوں کی طرف چلے جا رہے ہیں ایک غریب الدیار قافلہ بڑھ رہا ہے — وادی غیر  
ذی زرع کی طرف! خدا کا گھر بسانے، اس گھر کی نیواٹھانے اور اس کو شکل دینے جو ابلا بلا  
تک آباد رہے گا۔ جہاں خدا کے آخری پیغمبر کی آخری حجت قائم ہوگی جہاں یل و نہار  
کی گردشیں تعظیماً ٹھہر کر یں گی۔ جہاں ملائکہ کا انبوه ہوگا جہاں رہتی دنیا تک دن رات  
کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک سیکنڈ بھی بغیر طواف نہ گزرے گا۔ جہاں سال بھر  
لاکھوں انسان جمع ہوتے رہیں گے۔ جہاں اس قافلہ کے پیر ہوں گے دہاں انسانوں کی  
سجدہ گاہ ہوگی۔

اس وادی غیر ذی زرع (بخور زمین) کو یہ شرف ہوگا کہ سب سے بڑی جلوہ گاہ بن جائے  
گمراہی کے ہر گوشہ سے انسان کچھ کچھ کے دہاں آتے رہیں۔ اس کی بولی پر تمام بولیاں  
نثار ہوں، وہ کائنات انسانی کا مرکز ثقل ہو، وہ سلام کا مولد رسالت کا وطن اور قرآن  
کا مہبط قرار پائے۔ اس بخور زمین سے کائنات کی کھیتیاں ہری ہو جائیں اور اس کے  
بسانے والوں کی پیرد ایک ایسی اُمت ہو جو شمالاً جنوباً، شرقاً غرباً اپنے معبودوں کا  
رخ اس کی طرف پھیر دے جہاں تہاں عبادت الہی کا چراغ روشن ہو اس کی لوہی  
طرف ہو دنیا بھر کی مسجدیں اس کی بیٹیاں کہلائیں۔

حرم کے نزدیک رطک اس طرح چمکے گا جتنی ہے جس طرح ہمارے ہاں کے گبرو  
جوان پٹکا بانڈھتے ہیں۔



میں دیکھ رہا تھا کہ باجرہ اپنے تخت جگر اسماعیل کے ہمراہ شانہ پر مشکیزہ اور ماتھہ میں روٹی لیے چلی جا رہی ہیں اسی دادی غیر ذی زرع کی طرف جسے ابد تک کے لیے زندہ ہونا تھا اور جسکی پہاڑیاں ان کے قدم لینے کے لیے بے قرار تھیں انہیں غیبت کے اس آگینے، استقامت کے اس پہاڑ اور عبادت کے اس سہ رکھی قافلہ کا انتظار تھا۔

حضرت ابراہیم عراق میں اُسے نکلے حرا چلے گئے۔ وہاں سے فلسطین، فلسطین سے مصر اور مصر سے حجاز۔ حجاز میں کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی۔ اسماعیل انٹیں چنتے ابراہیم گارا لگاتے اور اس طرح ایک گھر جو اس وقت تہنا تھا اللہ کے نام پر آباد ہو گیا۔ ابراہیم نے اپنے بھتیجے حضرت لوط کو شرق اردن بھجوا یا کہ وہاں دعوتِ ربانی کا مرکز قائم کریں شام فلسطین میں حضرت اسحاق کو ماور کیا اور اندرون عرب علامہ حضرت اسماعیل کو سوہب دیا۔ کہ اللہ کے آخری نبی کو آپ کی اولاد میں سے ہونا تھا۔ قریش کی بنارکھی گئی۔

تاریخ انکار سے پیدا ہوتی، کردار سے پرورش پاتی پھر شاہراہوں میں اپنے نقش پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظہ کی سرگزشت ہو جاتی ہے۔

لبیک اللہ لبیک! ناز کہاں کہ میں اس کی مہارت تمام کر حرم کے حدود میں داخل ہوتا کہ یہ بھی سنت نبوی ہے دل نے کہا کہ پلکوں سے موتی چنوں وہاں آگئے ہو جہاں ابراہیم آئے تھے، باجرہ آئی تھیں، اسماعیل آئے تھے، جہاں محمد پیدا ہوئے تھے اور جہاں وقت کے بہترین انسانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا تھا، جہاں بدترین انسانوں نے ان کی نافرمانی کی تھی، ان کا مذاق اڑایا تھا اور وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے

پھر جہاں وہ فاتح کی حیثیت سے اس طرح لوٹے تھے کہ ابوسفیان ہی کا گھر سب کی پناہ گاہ بنا دیا تھا جہاں باد صبح گا ہی میں محمد کی سانسیں چلتی اور شب کے آدینے (تارے) ان کے آنسوؤں سے تیار ہوتے تھے۔ جہاں اب بھی بلالؓ کی اذانیں محفوظ ہیں اور سنی جاتی ہیں جہاں ہر چہ ایک تاریخ ہے جہاں ایک ہمد کے سب سے بڑے انسان عمرؓ بنائے ہیں جہاں ان کی مشعلیں روشن ہیں جہاں ان کے نقش قدم سنگ میل ہیں جہاں جبریل آتے رہے وحی نازل ہوتی رہی اور قرآن اُترتا رہا۔

بیت اللہ کے سینار ابرہہ آئے اور میں ان پہاڑوں سے گزر رہا تھا جس میں سے ایک پہاڑ (کوہ صفا) پر چڑھ کے حضور نے فرمایا تھا۔

اے معشر قریش! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا سب نے کہا ہاں کیونکہ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا۔

یہ سن کر وہ لوگ کہ ان میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا برہم ہو کر چلے گئے لیکن خدا کا آخری پیغمبر اعلان کر چکا تھا کہ

اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں آؤں گا مجھے اللہ تعالیٰ نے آخری حجت کے طور پر مبعوث کیا ہے اللہ ایک ہے محمد اس کے رسول ہیں، سب عباد میں اس کی ایک ذات کے لیے ہیں۔

ان بتوں کو تم نے اللہ بنا لیا ہے یہ پتھر کی مورتیاں ہیں اور کوئی شے نہیں



اپنے اللہ کی عبادت کرو اس کی نماز پڑھو پاک دامنی اختیار کرو پیچ بولو  
اہل قرابت کا حق ادا کرو۔

وہ پہلے دن تنہا تھا اس کے ساتھ صرف اس کا خدا تھا پھر وہ دو ہو گئے دوسے تین  
اور تین سے پانچ حتیٰ کہ بعجلت ایک کارواں بن گیا نئی دینا نے جنم لیا اور اس طرح  
اک ہر نئے آدمی کا بول بالا کر دیا

یہ کہ ان زندہ و پائندہ انسانوں کا گھر ہے جو بظاہر ہم میں نہیں لیکن ہر لحظہ ہم میں  
ہیں اور جن پر دنیا بھر میں جہاں تہاں اسلام کی آواز ہے دن میں کئی کئی دفعہ درود و سلام  
بھیجا جاتا ہے جس طرح بدلیاں پانی کے ڈول بھر کر چلی آتی ہیں اس طرح کہہ ارضی کی ہوائیں  
ان کے لیے درود و سلام کے گلدستہ لے کر آتیں اور لٹا کر لوٹ جاتی ہیں صدیوں سے  
صبح و شام یہی ہو رہا ہے اور یہ قافلہ ابد تک کے لیے رواں دواں ہے۔

سلام ہو اس زمین پر جس کے دیرانے نے ہمیں آباد کیا اور جس کے نشیب  
پر دنیا بھر کی بلندیاں کھینچی چلی آتی ہیں سب سے بڑی سجدہ گاہ! جہاں  
ایک پتھر کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ کروڑوں انسان صبح و شام ایک عظیم انسان  
کے اتباع میں اسے بوسہ دیتے اور یہ اعزاز — صبح عشر تک اس  
کے لیے خاص ہو گیا ہے — لبیک اللہم لبیک۔

## مَلَّہُ مَعْظَمَہُ

جہاں اپنی جہیں اپنی جہیں معلوم ہوتی ہے



بیت اللہ کی ہیبت مجھ پر چھا گئی پھر ایک لہر تھی کہ صدیوں کی سرگزشت سیٹھی  
 ہوئی نکل گئی ایک ایک سینکڑوں درخیاں کی سی تیزی لیے بیت گئے اور وہ دل جو ابھی  
 تک مرعوب تھا خوشی سے جگمگا اٹھا میں وہاں تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے عرش و فرش کی  
 تمام فضیلتیں جمع کر دی ہیں جہاں جو میں گھنٹے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ملاو اعلیٰ سے درود  
 و سلام کی بھولیاں بھر بھر کے لاتے اور بندگان تسلیم و رضا کو پہنچاتے ہیں۔

بیت اللہ مکہ مکرمہ کے نشیب میں اس طرح ہے جس طرح نون کے وسط میں نقطہ  
 یا کٹورے کی تہ کا دائرہ اس نشیب کو مسجد الحرام نے آغوش میں لے رکھا ہے اور  
 مسجد الحرام کے چاروں طرف پہاڑ کھڑے ہیں پہاڑوں کا یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے  
 مسجد الحرام کے تین پرت ہیں دو آب تیار ہوئے ہیں — کچھ حصہ — ابھرن رہا  
 ہے۔ پہلے پتھر باہر سے آتا تھا اب جاز کی پہاڑیوں سے قدرے سفید، قدرے  
 سبز اور قدرے سُرخ پتھر کی سلیں نکلی ہیں جنہیں مسجد الحرام کو پھیلانے اور بڑھانے



میں لگایا جا رہا ہے تیسرا پرت ترکوں کے زمانہ سے ہے اور ان کے عہد کی معماری کا نمونہ ہے۔ چوتھا حصہ کھلابے جس میں حرم کی پوری تاریخ اپنی نشانیوں سمیت موجود ہے وسط میں بیت اللہ ہے، ایک مستطیل عمارت ۴۵ فٹ اونچی۔ ۴۴ فٹ شمالاً و جنوباً اور شرقاً و غرباً ۲۳ فٹ! تاریخ اور عقیدے کی روایتوں کے مطابق اس کی تعمیر متعدد بار ہوئی ہے لیکن اس کی بنیاد اول ابراہیمؑ نے رکھی اور آخری بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمؑ اور محمدؐ نے جہاں کھڑے ہو کر گارا اور اینٹیں جوڑیں اور ان کو اپنی مستجاب دعاؤں سے ہمیشگی بخشی وہ دونوں جگہیں محفوظ ہیں۔ عقیدہ کی روایت ہے کہ پانی نے زمین کی شکل اختیار کی تو سب سے پہلے زمین کا جو ٹکڑا وجود میں آیا فرشتوں نے ٹھیک اسی جگہ تخت الشریٰ پر خانہ کعبہ کی بنیاد استوار کی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہبوط آدمؑ سے کئی ہزار سال پہلے فرشتوں نے اُسے تعمیر کیا، ایک اور روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لفظ کُن سے اس کی تعمیر ہوئی جب آتار محو ہو گئے تو حضرت آدمؑ نے جبریلؑ کی نشاندہی پر اس کی بنیاد ڈالی۔

حضرت ابراہیمؑ نے کلام اللہ کی شہادت کے مطابق اس کی بنیادوں کو پھر سے اٹھایا اور طوفان نوح سے جو گھر مہدم ہو گیا تھا اللہ کے اس گھر کو دوبارہ آباد کیا۔ خلیل اللہ کو حکم الہی ہوا کہ اس کی دیواریں بلند کر دو، اسماعیلؑ اینٹیں اور گارا ڈھوتے اور لاتے ابراہیمؑ جوڑتے اور بناتے اس طرح یہ گھر تیار ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق حرا، طور، زیت، سینا اور جودی پہاڑوں کے پتھر اس کی دیواروں میں چنے گئے تب اونچائی ۹ گز لمبائی ۲۲ گز اور چوڑائی ۲۳ گز رکھی گئی۔ لیکن چھت نہ ڈالی گئی کئی دفعہ پانی اور آگ نے اس کی ہیئت پر حملہ کیا لیکن سب حملے سپرد انداز ہو گئے۔

ابراہیمؑ اپنے کعبہ کا قیامت ہاتھیوں پر ساٹھ ہزار کاشکار جہازے کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے لگے۔ لیکن لب بام آکر اس طرح مارا گیا کہ ایک لشکر بھی زندہ نہ رہا عاقلاً اور جہم اس کی مرمت کرتے رہے۔ قصبی بن کلاب نے تولیت کعبہ کی ذمہ داری اٹھائی اس کی رحلت پر اس کا بیٹا عبد مناف نگران ہو گیا۔ قریش سے پہلے بیت اللہ پر کوئی چھت نہ تھی قریش نے باہمی مشوروں سے چھت ڈالنے کا فیصلہ کیا جدہ میں ایک تجارتی جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کر بیکار ہو گیا تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر اس کے تختے خرید کئے اور واپس آکر پہلی دیواریں ڈھا کر نئی عمارت اٹھائی اس پر چھت ڈالی چونکہ لکڑی ناکافی تھی اس لیے ابراہیمی بنیادوں پر چھت ڈالنے سے جو جگہ خالی رہ گئی اس کا نام حطیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حطیم کو مستقف کیا لیکن یزید کے سالار حصین بن

نمیر نے مکہ پر چڑھائی کی تو کوہ البقیع سے بیت اللہ پر آتش باری کی جس سے غلاف

کعبہ جل گیا اور دیواریں شکستہ ہو گئیں اسی دوران میں یزید کا انتقال ہو گیا تو حصین بن نمیر نے معاصرہ اٹھالیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا عبدالملک ۷۲ھ میں خلیفہ ہوا تو اس نے مکہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت ختم کرنے کے لیے حجاج بن یوسفؒ کو بھیجا حجاج نے بیت اللہ کو گولہ باری کا نشانہ بنایا عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے چونکہ عبدالملک کو عبداللہ بن زبیرؓ سے بغض تھا اس لیے حطیم سے چھت اڑادی عمارت کو دوبارہ بنوایا

مارون الرشیدؒ نے اپنے زمانہ میں امام مالکؒ سے فتویٰ پوچھا کہ میں اسے مہدم کر کے از سر نو عبداللہ بن زبیرؓ کی بنیادوں پر تعمیر کر دوں تو آپ نے فرمایا "تہیں ایسا



کرنے کی ہرگز اجازت نہیں اسے بادشاہوں کا کھیل نہ بناؤ کہ جب دل میں آیا ڈھادیا  
جب چاہا بنا دیا نتیجہ بیت اللہ حکمرانوں کی مشق ناز سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔  
اس کے بعد کسی نے ڈھانے اور اٹھانے کا حوصلہ نہ کیا البتہ مختلف زمانوں میں مختلف  
فرمان رواؤں نے اس کی مرمت کروائی اپنے اپنے وقت میں سلطان احمد اور سلطان مراد  
نے اس کی شکستہ دیواریں بدلیں سلاطین عثمانیہ اکثر مرمت و توسیع کرتے رہے، اب  
سلطان عبدالعزیز سے شاہ فیصل تک آل سعود نے یہ خدمت اپنے ذمے لے رکھی ہے  
علامہ رزاقی کی روایت کے مطابق ان کے زمانہ تک کعبۃ اللہ گیارہ مرتبہ بنایا اور سنوارا  
گیا سب سے پہلا غلاف سلام سے نو صدی پہلے یمن کے بادشاہ تبع حمیری نے چڑھایا۔  
پھر اسعد حمیری نے ان کے بعد قریش مکہ نے غلاف کو منتقل کر دیا انہوں نے عرب کا  
غلاف چڑھایا، حضور نے یمنی اور قبائلی چادر کا، خلفائے راشدین نے آپ ہی کا اتباع  
کیا عبداللہ بن زبیر اور امیر معاویہ نے دیباچ کا بنو امیہ نے دیباچ کا پھر مختلف قسم کے  
نمیس و اعلیٰ ریشم استعمال کیے گئے مامون رشید ہر سال تین پڑے چڑھایا کرتا آٹھویں  
ذی الحجہ کو دیباچے احمد کا یکم رجب کو قبائلی کا ۲۷ رمضان المبارک کو دیباچے سفید کا  
متوکل عباسی نے بھی مامون کی تقلید کی البتہ ناصر عباسی نے پہلی دفعہ سیاہ رنگ کا ریشمی  
غلاف چڑھایا۔

سلطنت عباسیہ کی جگہ سلاطین ترکی نے لی تو پہلا بادشاہ جس کو یہ شرف حاصل  
ہوا وہ انطاہر بے برس صالحی شاہ مصر تھا سلطان صالح بن سلطان قلاؤں نے مصر میں  
حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے دو گاؤں مصارف غلاف کے لیے وقف کئے  
سلطان سلیمان نے اپنے عہد میں مزید چند گاؤں کا اضافہ کر دیا ان سے پہلے ۱۴۵ھ میں

مہدی جج کے لیے آیا تو بیت اللہ غلافوں سے اٹا پڑا تھا۔ اس نے تمام پرانے غلاف اُتروا  
دیئے اور صرف ایک غلاف رہنے دیا تب ہر سال پرانا غلاف اُتارنے اور نیا غلاف  
چڑھانے کی رسم پڑ گئی۔ پہلے پہل غلاف کے مختلف رنگ رہے کبھی سفید کبھی سیاہ  
کبھی سبز کبھی سرخ! لیکن عباسی خلفاء نے سیاہ رنگ مخصوص کر دیا اور تب سے اب تک  
یہی رنگ چلا آ رہا ہے محمد علی پاشا کے عہد سے مصری حکومت نے ہر سال غلاف  
بیسویں کی خدمت اپنے ذمے لیا۔ ایک کارخانہ مصر میں غلاف کی تیاری کے لیے  
کام کیا گیا۔ اب بھی ہے اور اس کے سپرد صرف غلاف کی تیاری کا کام  
تھا۔ ہر سال تقریباً پچاس ہزار مصری پونڈ اس پر صرف ہوتے پہلے یہ غلاف مصر سے  
محل میں آیا کرتا اور اعیان سلطنت اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اب آل سعود کی حکومت  
نے وہ رسم تقریباً ترک کر دی ہے بلکہ غلاف حجاز ہی میں تیار ہونے لگا ہے۔

بیت اللہ کے چاروں طرف غلاف چڑھا ہوتا اور اس پر آیات قرآنی منقش ہوتی  
ہیں حرم کی روشنیوں کے نالہ میں غلاف اتنا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ بھلا کے لفظ کا اس  
سے بہتر استعمال ہی نہیں ایک عمارت ایک عبا پہن کو کھڑی ہے جس سے سطوت،  
عظمت اور حرمت ٹپکتی ہے دنیا میں کوئی عمارت ایسی نہ ہوگی جو ہر دور کی ہر ساعت  
میں لوگوں کا مرکز ہو اور جہاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی تانیہ طواف کے بغیر  
گزرتا ہو۔ روشنیوں نے کعبۃ اللہ کو اس طرح جگمگا رکھا ہے کہ ہر لمحہ بقیع نور نظر آتا ہے  
رات کو یہ منظر اور بھی دل کش ہو جاتا ہے۔ اس پاس کے پہاڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ  
زمین نور اگل رہی ہے۔ چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں ہیں مسجد  
الحرام اور بیت اللہ میں کسی انسان کے لیے کوئی امتیاز نہیں شاہ فقیر ایک سے ہیں یہ







فضل حق نے میرے ساتھ معلم کر دیا اور میں نے طواف کے سات چکر پورے کئے  
ہر چکر میں مختلف دعائیں مانگیں پہلے چکر میں حجر اسود کو بوسہ دیا پھر چکر میں اسلام کیا آخری  
چکر میں بوسہ دے کر ہٹا تو عالم ہی دوسرا تھا اس درجہ کیفیت پیدا ہوئی کہ اس وقت بیان  
کرنا مشکل تھا اب بیان کرنا بس سے باہر ہے بعض چیزیں آدمی محسوس کرتا ہے  
کہہ نہیں سکتا انسانی منطق اپنے تمام اٹانے کے باوجود ان کیفیتوں کو بیان کرنے سے  
معذور ہے کیفیت چیز ہی وہ ہے جو بیان نہ ہو کوئی انسان ان واردات کو جبارہ  
الفاظ نہیں پہننا سکتا جو عشق کے دربار اور ایمان کے جلو میں پیدا ہوتے ہیں طواف  
کی لذت ہی ایسی ہے کہ الفاظ اس کے بیان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے میں گھوم رہا تھا  
اور معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ پیچھے کو لوٹ رہی ہے۔

یہ ایک نظریں ٹھہر گئیں بیٹا گارا ڈھورہ اینٹیں لارہا اور باپ معاری کر رہا  
ہے پھر ان کی دعائیں سنیں۔

”اللہ العالمین ہم نے یہ گھرتیری منشا پر تیری عبادت کے لیے بنایا ہے۔“

امتداد زمانہ کے ساتھ پھر اس گھر میں بتوں کو داخل ہوتے دیکھا لات و منات  
اور عری و سبل کی فرمانروائی دیکھی ابو جہل اور ابولہب کی سرکشی دیکھی یہاں تک کہ حضور  
بیت اللہ میں سرسجدہ ہیں اور ابو جہل اونٹ کی ادھ آپ کی گردن پر رکھ رہا ہے۔  
حدیبیہ کے مقام پر حضور کا رکھا ہوا قافلہ دیکھا کہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے  
ہیں پھر وہ دور بھی دیکھا کہ بیت اللہ میں وقت کا سب سے بڑا انسان فاتح مکہ کی حیثیت  
سے داخل ہو رہا ہے دس ہزار جاں نثاروں کا قافلہ جلو میں ہے بتوں کو توڑا جا رہا  
اور خدا کے اس گھر کو تمام آلودگیوں سے صاف کیا جا رہا ہے۔ ابوسفیان کو دیکھا کہ

حضرت عباسؓ کی پناہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہے حضور فرما رہے ہیں اس کو  
پہاڑ کی چوٹی پر سے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھے قنوت  
سلام چلے آ رہے ہیں سب آگے غفار کا پرچم ہے پھر جنہ ہتھیاروں میں ڈوبے  
ہوئے اللہ اکبر کہتے صاف در صف گذر رہے سب آخر میں انصار کا قبیلہ کو کبہ نبوی  
کے ہمرکاب ہے زیر بن العوامؓ علمبردار ہیں جن کے مقام پر علم نبوی گاڑا جا رہا ہے  
خالد بن ولیدؓ حضور کے اشارہ پر اس پورے لشکر سمیت مکہ کے بالائی حصہ کو مڑ رہے  
ہیں ادھر قریش کا ایک گروہ ایک چھوٹی سی جھڑپ میں ۱۳ لاشیں چھوڑ کر اٹلے پاؤں  
بھاگ رہا ہے۔

حضرت عمرؓ حضور کی تشریف آوری سے پہلے کعبۃ اللہ کو تین سو ساٹھ بتوں سے  
پاک کر رہے ہیں بلالؓ و طلحہؓ کی ہمراہی میں رسالت مآبؐ قدم رنجہ فرماتے عثمان  
بن طلحہؓ سے کبھی لے کر دروازہ کھولتے اور بتوں کو جھڑی سے مٹھو کے دیئے جاتے  
ہیں زبان اندس پر ہے

”جا الحق وذہق الباطل ان الباطل کان ذہوقاً۔“

(حق آگیا باطل مٹ گیا کہ مٹنا اس کا مقدر تھا)

بلالؓ کو حکم دیا جاتا ہے اذان دو۔ اذان ہو چکی تو خطبہ فرماتے ہیں قریش مکہ سامنے  
ہیں وہ بھی جو اسلام کو مٹانے پر تھے ہوئے تھے وہ بھی ہیں جو حضورؐ پر سب و  
شتم کرتے اور اس ذلت میں بازی لے گئے تھے اور وہ بھی کھڑے ہیں جو قتل کے  
منصوبے باندھتے اور اپنے تیغ و سنان کو حضورؐ کے لہو میں ڈبوئے کے لیے صیقل  
دیتے رہے غرض کانٹے بچھانے والوں کی جماعت رد رہی ہے ان میں حضورؐ کی ایڑیوں



کو لوہان کرنے والے بھی ہیں اور بلالؓ، خبابؓ، عمارؓ، سمیہؓ، یاسرؓ، حبیبؓ، ابو بکرؓ،  
 بُنیرؓ اور زبیرؓ کو ستانے والے بھی آج قریش کا غرور قدموں تلے ہے بلالؓ ان  
 کے رب و کعبۃ اللہ کی چھت پر اذان دے رہا ہے درمیتیم جو اپنے گھر سے نکلا گیا اور  
 جس کو حدیثیہ سے لوٹایا گیا تھا آج بیت اللہ میں اعلان کر رہا ہے۔

”اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور حبیب نسب کا افتخار خُدا نے مٹا  
 دیا ہے تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں تمہارے  
 قبیلے اور خاندان صنفِ آپس کی پہچان کے لیے ہیں خُدا کے نزدیک شریف  
 وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار، دانا اور واقف ہے۔“

پھر قریش کے قہاروں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :  
 ”تمہیں معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟“

وہ جواب دیتے ہیں :

”آپ شریف بھائی اور شریف زادہ ہیں۔“

ارشاد ہوتا ہے :

”تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

اس عفو عام کا اعلان صرف رحمتہ اللعالمین ہی کر سکتے ہیں۔

یاد رہے صلّ و سلّم دائماً ابداً

علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّهم

مترجم حجرا سو اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کا درمیانی حصہ ہے سنن ابی داؤد میں  
 ہے کہ حضورؐ اور ان صحابہؓ نے جو فتح مکہ کے وقت ساتھ تھے اس جگہ سے اپنے سینوں کو

چٹایا تھا حضورؐ نے فرمایا تھا جو یہاں لپٹ کر اللہ جل شانہ سے کچھ مانگے گا اس کی  
 مراد پوری کی جائے گی یہاں آنسو خود بخود نکل آتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ عاجز و  
 خاکی انسان ربّ عفو و رحیم کی دہلیز پر لگا کھڑا ہے یہی جگہ ہے جہاں الحاج دزاری  
 کے بغیر دعا کا تصور ہی نہیں ہر شخص اپنی خطاؤں کی معافی کے لیے روتا اور دل کھول  
 کے روتا ہے سرور کائناتؐ نے سینہ مبارک لگایا دعائیں مانگیں اور اس کو عظمت  
 بخش دی۔ صحابہ کرام کے سینوں کی رونق، چہروں کی ضیاء، سانسوں کی خوشبو، کلمات کی  
 نفاست اور آنسوؤں کی طلعت سے یہ جگہ نورانی ہو گئی۔ اس آسمان نے جو صبح کا  
 سورج لے کر بیت اللہ پر چمکتا ہے اور اس افق نے جو ہر شب ستاروں کی تندیوں  
 جگمگاتا ہے محسن کائنات اور ان کے ساتھیوں کی ان ساعتوں کا منظرہ کیا اور ان کے  
 آنسوؤں کو چن کر چرخِ نبی نام کا بھومر بنا دیا ہے۔ آج پودھوں صدی آخری موڑ پر  
 ہے لیکن اس سارے عرصہ میں حضورؐ سے لے کر تابعین تک پھر ادبِ اَلْقِیَا، حکماء، علماء  
 صلحا، وزیر و شاہ، زاہد و رند، خواص و عوام، عابد و خاکی، عالم و عامی، کو درڑوں  
 بلاشبہ کو درڑوں انسان بوڑھے، بچے، جوان اس سے پلٹتے چلے آ رہے ہیں آنسوؤں  
 کا تلزم بہہ چکا ہے کتنے ہی سینے اس سے پلٹے اور کتنے ہی بازو حائل ہوئے ہیں  
 بلاشبہ یہاں ایمان کو بلندی، عشق کو سچائی، طبیعت کو سکون، روح کو عرفان، دل کو  
 ایقان، دماغ کو جلا اور اعتقاد کو دوام ملتا ہے۔ میں نے اپنا سینہ اس کے پتھروں  
 سے لگا دیا اور دونوں ہاتھ دروازہ کی سنگی مسطر پر رکھ دیئے۔ حقیقت و مجاز میں کوئی  
 نسبت ہوتی اور سزا و ادب کا خدشہ نہ ہوتا تو اس لمحہ وصل کے لیے بہت سی تشبیہیں  
 اور استعارے چنے جاسکتے تھے۔ ہر حال بندہ اپنے رب سے ہمکلام مختار اور



کہیے یہ طور نہیں کہ کن ترانی میں جواب آئے انشراح صدر ہو تو آواز آتی ہے  
 ”میں سحر بندے تو اس عزت سے بالا کیا گیا تیری دعا ہم نے سن لی اور  
 قبول کی گئی جب تک تو ہماری اطاعت کرے گا ہم تیری شہ رگ سے  
 نزدیک ہیں تجھے کبھی خوار نہ ہونے دیں گے۔“

میری پہلی دعا یہ تھی۔

میسر اللہ میری لغزشوں سے درگزر کر میسر گئی ہوں کو بخش دے ،  
مجھے ایمان کی دولت دے مجھے اسلام کا سپاہی بنا ، میسر قلب کو  
طاقت ، میری زبان کو لطافت ، میسر دل کو غیرت اور میسر دماغ کو  
رفت دے ، مجھے توحید و رسالت کے دشمنوں سے لڑنے کی پختگی عطا کر ،  
اسلام کا بول بالا کر ، مسلمانوں کی مشکلیں آسان کر دے اور پاکستان کو انتظام  
دائیں بخش ، اسرائیل کو اپنے غضب میں رکھ ، عربوں کو معاف کر دے ،

مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز واجب الطواف ادا کی اور دیر تک خیالات میں  
گم سم کھڑا رہا عظمتوں کا ٹھکانہ نہیں کیفیتوں کا چشمہ ہر طرف پھوٹ پھوٹ کر بہ رہا ہے۔  
سلطان سلیم نے ۱۰۴۰ ہجری میں اس پر چھتری کے طرز کی ایک چھت بنوائی تھی اب  
اوردگر و پتیل اور تانبے کا ایک حصر بنا ہوا ہے اس حصر کو بڑے شیشے لگا کر شوکیں کی  
شکل دے دی ہے اندر دو بالشت مرلج پتھر ہے جو سونے اور چاندی سے مڑھا  
ہوا ہے اس پتھر پر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان ہے، یہ پتھر  
بیت اللہ کی تعمیر کے وقت مچان کا کام دیتا تھا۔

کعبۃ اللہ سے مشرق کی جانب کوئی پچاس فٹ کے فاصلہ پر زمزم ہے، چند

سال پہلے یہ کنواں حرم ہی کی سطح پر تھا مگر اب اس کو تہہ خانے میں لے گئے ہیں انجینئرز  
نے ایک خوب صورتی پیدا کر دی ہے بڑے عرض کی سلوں کا زینہ ہے زمزم تک کوئی سو فٹ  
کی سیڑھیاں ہوں گی چوڑائی خاصی ہے ایک وقت میں بیس پچیس آدمی ایک ساتھ آجا سکتے  
میں پہلے حصہ میں نل لگے ہوئے ہیں۔ اگلے حصہ میں جہاں کنواں ہے ٹیوب ڈیل بھی ہے اور  
دوکا بھی ایک صفہ ہر وقت پانی کھینچتا پلاتا اور بانٹتا ہے شہر کے لوگ صراحیاں (شرابیہ)  
بھر بھر کے لے جاتے ہیں مکہ کی ان سراپیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صراحی دار گروں کیا ہوتی  
ہے! ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے اتنا جرم ہوتا ہے کہ بسا اوقات مکورے سے کھوا پھٹنے  
لگتے ہے حضرت ماجرہ کی مضطربانہ دعا اور حضرت اسماعیل کی معصومانہ ٹھوکر نے اس  
پانی کو فضیلت اور ہمیشگی بخش دی ہے پھر جو کلمہ چشمہ کی بے تالی کے وقت حضرت  
ماجرہ کے منہ سے نکلا تھا زم زم یعنی ٹھہر ٹھہر وہی اس کا نام ہو گیا زمزم کے لفظ پر غور  
کیجئے ایک ایسا لفظ ہے ————— ظ

کہ میرے منطق نے بوسے مری زباں کے لیے

مسجد الحرام کے مشرق میں خانہ کعبہ سے ملحق یا متصل دو پہاڑیاں ہیں صفا و مرہہ قرآن پاک نے انہیں شعائر اللہ کہا ہے حضور صفا ایک پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الصفاء والمروة من شعائر الله .

اب یہ پہاڑیاں صاف نشان رہ گئے ہیں دونوں کے درمیان کوئی تین سو گز کا فاصلہ ہوگا سعودی حکومت نے درمیان میں سنگی حاشیہ دے کر اوراد پر چھت ڈال کر اس میں ایک شکوہ و جمال پیدا کر دیا ہے دونوں پہاڑیاں حمزہ وصل کی طرح چھت سے ڈھکی ہوئی ہیں ان کے درمیان دوڑنا سعی کہنا تا ہے سعی کرنا حج اور عمرہ کے فرائض کا حصہ



ہے۔ جج کا عظیم رکن!

سعی کے بھی سات چکر میں حضرت باجرہ اپنے جگر گوشہ اسماعیل کے لیے پانی کی تلاش میں سات مرتبہ دوڑی تھیں مرد وزن اسی طرح دوڑتے اور بوہوتا باع کرتے ہیں! سعی میں ایک لذت سی پیدا ہوگئی لذت کیا سحر ہوگیا دل و دماغ اس کے ہو گئے نگاہیں اشتیاق و تصور کی وادی میں چلی گئیں کی خوب صورت جگہ ہے اور کتنی دل فریب ہیں دونوں پہاڑیاں۔

ابراہیم باجرہ اور اسماعیل کو مکہ میں چھوڑ کر واپس جا رہے ہیں ام اسماعیل (باجرہ) ان کے پیچھے پیچھے کد آنکھیں پکار کر کہا:

ابراہیم! تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ اور کوئی چیز؟

چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو ابراہیم

نے کہا ہاں! باجرہ نے کہا تو پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا لوٹ کر آ

گئیں مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور بچہ کے لیے دودھ ہوتا رہا یہاں تک

کہ پانی چک گیا دل میں کہا جاکر دیکھیں شاید کوئی نظر آجائے کوہ صفا پر

چڑھیں کوئی منزل نہ آیا وادی میں پہنچیں دوڑ کر مروہ پر آئیں اسی طرح چند

بار دوڑیں پھر بولیں چل کر بچے کو دیکھیں اگر دیکھا تو قریب الموت پایا

مضطرب ہو کر پھر صفا پر چڑھیں کہ کوئی نظر آئے کوئی منزل نہ آیا، یہاں

تک کہ سات چھپے ہو گئے ناگاہ ایک آواز آئی باجرہ نے کہا نیکی

ہمارے پاس ہو تو فریاد کی کر ناگاہ جبریل امین تھے حضرت ابن عباسؓ

کہتے ہیں کہ جبریل نے اپنی ایڑی کو زمین پر مارا پانی بہنے لگا بڑھ کر اپنے

بیٹے کی طرف گئیں دیکھا بچہ کی ٹھوکر سے چشمہ پھوٹ رہا اور پانی جوش میں ہے حضرت باجرہ نے کہا زم زم (پٹھر پٹھر) پانی کا جوش پٹھر گیا۔

زمزم میں مرلیضوں کے لیے شفا ہے کھڑے ہو کر پینا سنت نبویؐ ہے حضورؐ نے فرمایا جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں زمزم ہی تو قبل رخ ہو باؤ اللہ کا نام تو تین سانس میں پیو خوب پیو اور پیٹ بھر کے پیو اللہ کی حمد و ثنا کرو، حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان یہی حد فاصل ہے کہ وہ زمزم پیٹ بھر کر نہیں پیتے زمزم بہترین پانی ہے۔

میں زمزم کو اس وقت تک پیتا رہا جب تک پیٹ نہیں بھر گیا منہ نے مجھ پر دتین بو کے ڈالے اور میں شرابور ہو گیا۔

تصور کیجئے حضرت باجرہ اپنے جگر گوشہ ذبیح اللہ کے لیے کیسے دوڑتی ہوں

گی سات چکر ایک میل اور چار سو گز کا فاصلہ ہیں آدمی دوڑتے ہوئے تھک جاتا لیکن

ہر چکر کے بعد تازہ دم ہو کر ایک نئی توانائی محسوس کرتا ہے۔ دماغ لالہ زار

ہو کر دل کے مین بازار کی رونق بڑھاتا اور یہ احساس سرور و انتہا ج سے معمور ہو جاتا

ہے کہ اب بھی قرون اولیٰ کے عظیم انسان اور ان کی سعادتیں ساتھ دوڑ رہی ہیں آنکھیں

صفا و مروہ کو تکتی جھانکتی اور ان کا نور سمیٹتی ہوئی باجرہ کی دوڑ کے قدم لے رہی ہیں باجرہ

دوڑ رہی ہیں ایک ایک حرکت ایک ایک اشارے اور ایک ایک کنسے کی منتقل

جاری ہے عظیم عورت جو اس وادی غیر ذی زرع میں تنہا ہے صفت رحمت جگر ساتھ

ہے اور یہ اس کے لیے پانی تلاش کر رہی ہیں۔

غیب کا علم خدا نے عظیم و خیر کر ہے باجرہ نہ جانتی تھیں کہ جہاں وہ مسافر ہے،



مہاجر ہے جلاوطن ہے اور اس کی آواز کے سوا کسی دوسرے انسان کی آواز نہیں ہے  
وہاں کبھی ایک ایسی بستی آباد ہوگی کہ ام القری ہوگی اس کی فضیلت کرہ ارضی کے تمام شہروں  
سے بڑھ جائے گی اس کو قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا ہر سال لاکھوں انسان وہاں آئیں  
گئے اور جس طرح وہ آج یہاں دوڑ رہی ہیں اسی طرح لوگ دوڑا کریں گے پھر یہ عمل سال میں  
ایک دفعہ نہیں ہوگا یہ عمل ہر روز ہوگا یہ بستی ایک جلاوطن پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرت گاہ  
اور ایک یتیم پیغمبر (محمدؐ) کا مولد ہوگی سارا خطہ شہرت عام اور عظمت و دام کا دوبارہ  
ہوگا۔

میں نے ہر پھیسے میں اس تہائی کا نرہ پایا جو باجرہ کے ہمرکاب تھی۔

یہ نصیب اللہ اکبر ٹوٹنے کی جاسے ہے

سعی ہو گئی بال کٹوائے معلم کا حق الحمد للہ ادا کیا تب فضل حق کی درگاہ پر پہنچا وہاں قریب ہی فندق الکعلک میں بٹھرنے کا انتظام کیا گیا تھا کعلک کے معنی روٹی اور فندق کے معنی ہٹول ہیں، خانہ کعبہ سے باہر ہٹولوں کی بھر مار ہے بالخصوص محلہ جیار میں اور جو مکان ہیں وہ بھی جج کے دنوں میں کرایہ پر اٹھا دیئے جاتے ہیں کرایہ وہاں ماہانہ نہیں سال بھر کا یک مشت لیا جاتا، ایام حج کا کرایہ بارہ مہینوں کے برابر ہو جاتا ہے مکانات کے مالکوں کی اصل آمدنی یہی ہے رمضان المبارک سے ذی الحج تک کرایوں کی رفتار تیز ہو جاتی اور لوگ اپنے مکانوں کے ایک ایک کمرے میں کئی کئی بستر دں کا ڈھیر لگا کر پورا سال کما لیتے ہیں۔

مکہ میں جب پہلی دفعہ آبادی ہوئی تو لوگ مکان نہیں بناتے تھے بلکہ گرد و پیش  
خیموں ہی میں پڑے رہتے تھے حضور رسالت مآب سے گیارہ سو سولہ برس پہلے حضرت

ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی بنیاد رکھی ایک طویل مدت گزر گئی تو قریش نے اپنے زمانہ میں بعثت نبویؐ سے منظورِ عرصہ بیشتر مکان بنانے کا آغاز کیا حضورؐ کے زمانہ میں بلکہ خلافت راشدہ سے بھی کچھ عرصہ بعد یہاں دو منزلہ مکان کھڑا کرنے کا رواج نہ تھا وہ لوگ اس کو بیت اللہ کے احترام سے ہٹا ہوا سمجھتے تھے اور پہلی آبادیاں تو بیت اللہ سے بالا مکان بنانا سوداؤں کا خیال کرتی تھیں لیکن اب بیت اللہ کے معنی سے دیکھئے تو چاروں طرف پہاڑوں پر کئی منزلہ مکان کھڑے ہیں رہ گئے ہوٹل تو وہ آسمان سے چٹنگ کر تے اور اتنے اونچے ہیں کہ ان کی منزلوں سے بیت اللہ کی ہر رونق دیکھی جاسکتی ہے بیت اللہ تقدس و احترام کے ان مفروضوں پر نہیں جو ہمارے ہاں بعض اہل اللہ کی قبروں کے متعلق قائم کیے گئے ہیں احترام کے یہ مفروضے ہمارے ہی ملک میں ہیں کہ جہاں اہل اللہ کے روضہ کی طرف پیٹھ کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

مکہ کے چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھینچ رکھی ہیں مشرقی اور شمالی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیصان، جبل ہندی، جبل سلع اور جبل کداء سے مرکب ہے آخر الذکر وہی پہاڑ ہے جس کی راہ سے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تھے جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ، جبل کداء اور جبل ابی قیس کے بعض حصوں سے مرکب ہے مشرق میں جبل ابی قیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عرواق ہے۔

الکلی پنپیا۔۔۔۔۔ تو دماں کچھ پاکستانی دوست انتظار میں تھے

وہ ملک کے بارے میں استفسار کرنے لگے اور میں انہیں اپنی معلومات بتاتا رہا پھر وہ اگلی صبح آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے میں تھک مفلوج تھا لیکن اندر کا دلولہ تازہ تھا



بلکہ اور تازہ ہو گیا تھا کھانا کی یا تہود پیا نماز عشا باقی تھی اور سامنے بیت اللہ تھا۔ کوئی  
تین منٹ میں لمبے لمبے ڈگ بھڑا ہواں پہنچ گیا اس وقت نہایت غار پڑھی اور طواف  
شروع کیا پھر کچھ دیر حجر اسود کے بالمقابل پہلی صف میں آکے بیٹھ رہا رات بیتی جا رہی  
لیکن رونق بڑھتی جا رہی تھی کئی آشنا چہرے مل گئے کہاں کہاں کے لوگ نہیں تھے  
ہر ایک کا ہاتھ مٹھوڑا تھا سب اللہ سے لگائے۔ اسی کے ہو کے آئے تھے  
اور اسی کے ہو جانا چاہتے تھے۔

بجلی کے ستروں نے حرم کو صبح روشن سے کہیں زیادہ روشن کر رکھا اور بیت اللہ  
جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔

رات کوئی ایک ڈیڑھ بجے تک وہیں بیٹھا رہا کبھی اٹھ کے یہاں وہاں پھیرے  
ڈالتا کبھی طواف کرتا اور کبھی منزم کے سامنے بیٹھ کے بیت اللہ کو ٹکڑ ٹکڑ دیکھتا کہ  
ننانوے برس کے ایک بوڑھے پیغمبر (علیہ السلام) کا بسایا ہوا گھر آج ڈھائی ہزار سال  
گزر جانے کے باوجود جو ان ہے ہر مسلمان کے دل میں یہاں پہنچنے کی تڑپ ہے اور  
جو یہاں پہنچ جاتا ہے وہ فرش سے عرش کو دیکھتا ہے آمد و رفت کا تانتا لگا ہوا ہے  
وقت کی قید نہیں صبح تو خیر صبح ہے رات بھر لوگ آتے رہتے ہیں۔ اکثر لوگ جو عمرہ  
پر آتے دن کو سوتے رات کو جاگتے اور پوری رات حرم میں کھاتے ہیں۔

منزم پلانے والے بیٹھ پر صراحیاں باندھے پھرتے نظر آتے ہیں یوں بھی ادھر ادھر  
صراحیاں پڑی رہتی ہیں نمازیں ہو چکی ہیں تو نفل پڑھے جاتے ہیں تہجد گزار تہجد پڑھتے  
ہیں گڑگڑا کر دعائیں کی جاتیں اور الحاج وزاری کے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں طبیعت  
اتنی عاجز ہوتی ہے کہ حرم کی اس چار دیواری میں کوئی سی سخت یا کوئی سا گھنڈا

نہیں ہوتا۔

تیسرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

معالم سے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ وہ قوم جس کی زبان پر اکثر اللہ و رسول کا  
ذکر رہتا ہے وہ خدا کے غضب سے کیوں پناہ نہیں مانگتی؟ آخرت سے کیوں نہیں ڈرتی؟  
اور قیامت کی پریشانی کے خوف سے خالی کیوں ہے؟ رات کا ایک بج چکا تھا آنکھیں  
بند سے بوجھل ہو رہی تھیں صبح ساڑھے نو بجے کراچی سے چل کر اس وقت تک سویا  
نہیں تھا ہوٹل میں لوٹ کر لیٹ گیا۔

اپنے رب کو یاد کیا جس نے مجھے یہاں حاضری کی سعادت بخشی اس نبی پر درود  
بھیجا جس نے اس گھر سے آگاہ کیا جس نے سبق دیا کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک  
نہیں وہی زندگی دیتا اور موت لاتا ہے اسی سے یہ کائنات پیدا کی پھر اللہ آدم کے لیے  
سخر کی سب عزتیں اور تمام بادشاہتیں اس کی بخشش میں جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں  
کچھ عرصہ ڈھیل دی جاتی ہے پھر ان کی پکڑ ہوتی اور وہ مٹا دیئے جاتے ہیں نوح کا  
طوفان اور قوم لوط کی تباہی اسی کے عذاب کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے  
معصیتوں میں استغراق سے ناراض ہوتے تو اسے زلزلوں، سیلابوں اور بیماریوں سے  
ہلاک کر دیتے، ان پر ظالم حکمران مسلط کرتے اور ایسی قوموں سے پڑا دیتے ہیں جن کا  
وجود ہی عذاب الہی ہوتا ہے۔

اس گھر (بیت اللہ) کو دیکھ کر یہی سوچ رہا تھا کہ ہم بچپن کی نقل کرنے کے  
لیے رہ گئے ہیں ہم اسلام کے اذکار و اعمال کی ناقص تصویریں ہیں؟ وہ ادا کر کے  
آب گل سے تیار ہوتے تھے ہم تو اسی کے سانچوں میں ڈھلنے لگے ہیں؟ یہی وہ گھر ہے



ہم جس کے پاس بان تھے اور جو ہمارا پاس بان تھا لیکن وہ تو اب بھی ہمارا پاس بان ہے  
ہم اس کے پاس بان نہیں رہے ہم اس کے پاس بان ہوتے تو اس طرح خوار نہ ہوتے  
کہ جس قوم پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا تھا وہ قبلہ اولے اُڑی ہے اور جس قوم  
نے گمراہ ہونا قبول کیا وہ ہمارا ابو پیچوڑ رہی ہے اللہ کا باغی معاندت کو رہا اور رسول کے  
باغی معاندت پر تلے ہوئے ہیں۔

یہی سوچتے سوچتے سو گیا نماز فجر سے گھنٹہ بھر پہلے ہنسا دھو کے حرم میں گیا اذان  
کی دل کشی دل میں اترتی گئی بیت اللہ کے دروازہ بارگاہ ایزدی میں فجر کی نماز کا پہلا سجدہ  
تھا کہ حضور و شہداء کی لذت سوا ہو گئی عرب کی آواز کانوں میں گھٹی چل جا رہی تھی۔  
رسول عربی کی قوم کا فرد قرأت کر رہا تھا وہی لہجہ وہی آواز وہی ترنگ اور وہی پیکار  
سلام پھیر کے محسوس کیا کہ حضور و شہداء میں تدریسوں کی ایک جماعت نے بالہ باندھ  
رکھا ہے پروانے میں کہ ٹوٹے پڑتے ہیں بلالؓ ہٹو پچو کی بانک لگا رہے ہیں۔  
اور فدائی میں کہ کچھ جارہے ہیں وہ سانسے صدیق اکبرؓ آرہے ہیں اور وہ عمرؓ شکل  
رہے ہیں، عثمانؓ آنکھیں جھکائے چل رہے ہیں، علیؓ ادباً ایک قدم پیچھے میں طلحہؓ  
اور زبیرؓ قربان ہو رہے ہیں، ابوبکرؓ رکتے ہی نہیں ابو ہریرہؓ محنتیں ہی نہیں۔ جو لفظ  
لب نبوت سے نکلتا ہے آدیزہ گوش بنالیتے ہیں سب اپنا اپنا کشکول بھر رہے اور  
اپنے اپنے محافظ کو جلا دے رہے، اوپر ملائکہ سا بان کئے ہوئے ہیں نیچے جانشان  
نے صلۃ باندھ رکھا ہے دائیں بائیں عشرہ مبشرہ میں خالد بن ولیدؓ ہیں کہ شجاعت  
بلا میں لے رہی ہے جو دیکھ رہا ابد تک محفوظ ہو رہا ہے ایک شرف اس سارے  
تافے کے ساتھ ہے امیر تافہ کے جلوس نے بے شمار انسانوں کو بارگاہ ایزدی میں خلعت

دوام بخش دیا ہے مجال دم زدن نہیں قدم اٹھتے ہیں تو صبا غرام سیکھتی ہے چہرہ مسکراتا ہے  
تو سورج چمکتا ہے، تبسم سے کلیاں کھلتی اور خندہ سے پھول ہلکتے ہیں خاند کعبہ کی زمین دیکھنے  
ہیسے کی ڈلک بنی ہوئی ہے رسالت آتے کہ قدم کہاں سے کہاں لے گئے ہیں جا رہیں  
طش کے پہاڑ دم بخود ہیں ہر چیز ادب سے گزرتی اور ہر آواز احترام سے سر دہی ہو گئی  
ہے ایک ہی پیکر میں آدم کا خلق شیعت کی معرفت نوح کی شجاعت ابراہیم کا دلورہ  
توحید اسماعیل کا شہادۂ رضا اسحاق کی خوشی تسلیم صاع کی فصاحت نوح کی حکمت،  
موسیٰ کا دہدہ ایوب کا صبر یونس کی اطاعت یوشع کا بہاد دادود کی آواز دانیال کی  
محبت ایسا سس کا وقار یحییٰ کی پاک دامن اور عیسیٰ کا زہد ڈھلا ہوا ہے۔

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

و جہان معراج پر تھا تخیل عرش پر اور حضور قرن اول کی جلوہ گاہ سے موتی چن رہا تھا۔  
واپس لکھ لکھ پہنچا تو سورج مکہ کی پہاڑیوں سے ابھر رہا تھا تھوڑی سی دیر میں ناشتہ  
آگیا مکھن پنیر، دہی، زیتون، انڈے، توش، کھجی، چائے، پھل، مٹا ایک ٹیبل آواز لے  
روک لیا۔ ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں حضورؐ نے تمام زندگی پیٹ بھر کے کھا نا نہیں کھایا  
عمر بھر چاتی نہیں دیکھی دن میں ایک وقت کھاتے اور صبر ایک سال ہوتا کہ دیکھتا تو  
پیالے میں اس کی تاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے حضرت مصعبؓ سے نکاح کی تو دلیمر میں  
صرف ستوا رکھ کر رہتے۔

ایک قرآن تیس پاروں میں ہے اور ہم نے ریشی غلافوں میں لپیٹ کے رکھا ہے  
ایک قرآن وہ تھا جو بقول ابوالکلام مکہ کی گلیوں اور مدینہ کے بازاروں میں پھرتا رہا  
قرآن مجسم!



ان کے کہے کا نام حدیث اور ان کے کہیے کا نام سنت ہے۔ بہت سے ہیں جو بات بات پر قرآن و سنت کا حوالہ دیتے ہیں کئی مسند و محراب کے وارث ہیں کہ ان کی زبانیں خشیت الہی کا تذکرہ کرتے ہوئے اشک بار ہو جاتی ہیں وہ منبر پر کھڑے ہوتے تو عصارا اٹھا کر خطبہ پڑھتے ہیں مگر ان کا دسترخوان کبھی سنت نبویؐ کے مطابق نہیں ہوتا۔ کبھی ان کے چوڑھے بچھے ہیں؟ ان کی دوسری تیسری شادیوں میں سے کوئی شادی ستواور کھجور سے ہوئی ہے؟ اس خانوادہ منبر و محراب میں کوئی بے جو کبھی ایک وقت بھوکا رہا ہو جس نے صفت کھجور سے روٹی کھائی ہو! سرکہ پر گدڑ کی ہو! اور شوربے میں سے کدہ کی تاشیں ڈھونڈتی ہوں۔

جس آقاؐ کا بستر فرش کا ہو اور جس کے پاس اکثر ایک ہی چادر رہی ہو، دوسرا جوڑا نہ ہو جس کی وفات پر عائشہؓ نے کہا ہو کہ یہ کبیل اور یہ تہبند کل دو کپڑے ہیں جن میں حضورؐ نے رحلت کی ہے جس نے دم نزع گھر میں جو کچھ تھا صدقہ کر دیا ہو اور کہا ہو کہ اللہ کا پیغمبرؐ اپنے خالق کے پاس کوئی اثاثہ چھوڑ کے جانا نہیں چاہتا اور یہ اس کے فقر کا زمانہ نہیں تھا بلکہ شکروں کی فتح مندریاں اس کے قدموں میں ڈھیر تھیں اور یہ سب کچھ سنت ہی تو ہے۔ کتنے میں جو اس سنت کے تابع ہیں اور کتنے میں جو اس کی مطابقت میں سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا کے مرتے ہیں وہ لوگ جو قرآن و سنت کے نام پر جمع کی ہوئی دولت قرآن و سنت کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہ عشق رسالت کے دعویدار ہیں؟ ان کے نزدیک سنت تراش و خراش اور بیان و زبان کی ایک الگ مخلوق گھڑ لینے کا نام ہے، سنت میں تو حق کے نام پر پتھر کھانا بھی ہے، پیٹ پر پتھر باندھنا بھی، فوجوں کی سرداری بھی ہے بیت اللہ کی معماری بھی، دفابھی ہے سخا بھی،

فقر بھی ہے فاقہ بھی، دوسروں کے لیے لعل و زر و گہر ہیں اپنے ماں کا چوٹھا بچھا ہوا ہے سنت کا چہرہ روشن سب کچھ اللہ کے نام پر لٹا کر اپنے لیے کچھ نہ رکھنا ہے، پیغمبرؐ کی زندگی تو سراپا سنت ہے اس کی موت بھی سنت ہے، کتنے میں جو اپنی درد کانوں پر قرآن و سنت کے کتبے لگا کر دولت پیدا کرتے لیکن مرتے وقت سب کچھ خیرات کر جاتے اور اپنے رب کے ہاں صفت اس کی خوشنودی لے کر جاتے ہیں؟

چھ نومبر کی صبح تھی میں خیالات کی اس رد میں بہہ رہا تھا کہ سہیل آگئے وہ مکہ کے تاریخی مقامات دکھانے کا پروگرام بنا چکے تھے میں ان کے ہمراہ ہو گیا میں نے سہیل سے کہا سب سے پہلے مجھے وہاں لے چلو جہاں حضورؐ پیدا ہوئے تھے کیا وہ مکان محفوظ ہے؟ سہیل نے کہا مکان تو محفوظ ہے لیکن امتداد زمانہ سے بہت سی شکلیں بدل چکی ہیں اب عربوں کے حافظے کی روایتوں سے جو کسی غلط و خلل کے بغیر چلی آتی ہیں ان آثار کا تعین ہو گیا ہے کوئی کتبہ یا بورڈ نشانہ ہی نہیں کرتا اور نہ حکومت کو اس کی ضرورت کا احساس ہے وہ قرآن و سنت میں ان کے باقی رکھنے کا جواز نہیں پاتی۔ اس کے نزدیک سلام اس کی اجازت نہیں دیتا ان آثار کو لوگ اپنے لیے عبادت گاہیں بنا لیتے ہیں ماضی میں یہی ہوتا رہا شرک و باکی طرح پھیل گیا اور وہ لوگ جو توحید کے لیے پیدا کئے گئے تھے شرک کے ہو گئے۔

سہیل مجھے سیدھا اس مکان میں لے گیا جو مولد نبیؐ تھا لیکن اب وہاں ایک چھوٹی سی لائبریری ہے اس وقت قفل چڑھا ہوا تھا یہ مکان حضورؐ کے دادا عبدالمطلب نے حضورؐ کے والد عبد اللہ کو ان کی شادی پر دیا تھا حضورؐ نے عقیلؓ ابی طالب کو ہمہ کردیا۔ حجاج کے عہد میں اس کے بھائی یوسف نے خرید لیا اور دار بیضا میں شامل کر دیا۔



خیزران کے عہد میں مدرسہ بنادیا گیا اب یہاں مدرسہ بھی ہے اور لائبریری بھی۔ اس پر کوئی نشان نہیں تب اس شارع پر بازار تھا کہ نہیں؟ لیکن اب بازار ہے اور گرد و پیش کے دوکاندار اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں حضرت زید بن ابی العزہؓ کا مکان محلہ زقاق میں ہے اس کو بیت النبیؐ بھی کہتے ہیں حضرت فاطمہ الزہراءؓ (اسلام اللہ علیہا) یہیں پیدا ہوئی تھیں حضورؐ نے اس مکان میں ۲۵ سے ۵۲ سال کی عمر تک قیام فرمایا کئی دفعہ جبریل امین اس مکان میں تشریف لائے اس کے چار کمرے تھے ایک کمرہ حضورؐ نے اپنے لیے مخصوص فرمایا تھا ہجرت کی تو یہ مکان حضرت عقیلؓ کو دے گئے اس کی نشان دہی بھی عربوں کا حافظہ ہی کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی شہادت نہیں۔ مفسدہ کے محلہ میں حضرت ابو بکرؓ کی کئی زندگی کا مکان ہے حضرت عثمانؓ کے مکان کی جگہ آج کل سعودی حکومت کا شفاخانہ اور مصری حکومت کا سفارت خانہ ہے۔

میں مولد بنی اور بیت نبیؐ کے پاس کھڑا یہ سوچتا رہا کہ انسان کیا ہے؟ حضورؐ کی کئی زندگی یاد آگئی ان مکہ والوں نے حضورؐ سے کیا سلوک کیا تھا کہ ان کے مکانوں سے کوئی سلوک کرتے؟

عشق یہاں کچھ ادا ہو جاتا ہے کہ اہل مکہ نے محل اُجاڑ دیئے اور محل اُٹھالیے میں پورے مکہ میں عہد نبویؐ کی دو چیزیں رہ گئی ہیں کھجور اور زمزم باقی خانوں سے فی صد یورپ کا مال ہے۔

سہیل مکہ کی خوب صورت لیکن پیچ و خم کھاتی سڑکوں سے گھماتے پھرتے غار حرا پر لے گئے اس پہاڑ کو جبل نور کہتے اور اس کی چوٹی پر غار حرا واقع ہے۔ نبوت سے قبل حضورؐ چالیس برس تک اس چوٹی پر آتے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہے۔

سہیل نے کہا آؤ اور چڑھیں لیکن آؤ پر چڑھنا آسان نہ تھا ایک تو کوئی راستہ نہیں، وہی ٹیڑھی ترچھی مڑتی اور اٹھتی ہوئی پگھلندی ہے دوسرے میں عمر کی اس منزل میں ہوں کہ جوانی اپنے تمام آثار سمیت ہاتھ سے نکل چکی ہے یوں بھی مدۃ العمر کی ذیابیطس نے پٹریاں چٹخا دی ہیں وہ لوگ جن کا عشق اور عمر دونوں جواں ہوتے ہیں غار حرا تک پہنچ جاتے ہیں۔ میں نیچے کھڑا غار حرا کو سکتا رہا اس عظیم انسان کی ہمت کا اندازہ کیجئے جو مسلسل چالیس سال تک اس چوٹی تک پہنچتا اور اس غار میں عبادت کرتا رہا۔ علامہ مشرقی کا جملہ ہے کہ اس پہاڑ پر چڑھنا عام انسان کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ کا الو العزم پیغمبرؐ ہی آجاسکتا تھا اور یہ صفت راہی کی ہمت کا معجزہ تھا۔

حکومت کے لیے مشکل نہیں کہ غار حرا تک چڑھائی آسان کر دے۔ سوال

ایک شارع کا ہے اتنے حصہ کو ایک پختہ روش دے کر سہل کیا جاسکتا ہے اس قسم کی دو چار چیزیں محفوظ کر لی جائیں تو عیب کیا ہے اس سے قرآن و سنت کی خلاف ورزی کہاں ہوتی اور کہاں غشائے ایزدی کی نفی ہوتی ہے آخر حکومت خور کو بھی تو محفوظ کر رہی ہے اگر شریعت کا اتنا ہی خیال ہے تو شریعت یہ نہیں کہ جبل نور یتیم پڑا رہے۔ اور اس کی نگہداری سے قطع نظر کیا جائے شریعت کے احکام معاشرہ اور ریاست کے لیے ہیں آثار و مظاہر کے لیے نہیں کہ ان پر سختی برقی جائے جہاں اجتہاد لازم ہے وہاں اجتہاد کا نام بدعت بلکہ بغاوت رکھ دیا ہے۔ خلفائے راشدین کیا اپنے ساتھ حفاظتی دستے رکھتے تھے؟ وہ طیاروں پر اڑتے پھرتے تھے؟ کیا انہوں نے گرما اور سرما کے دار الحکومت بنائے تھے؟ کیا ان کے محل اور قصر تھے؟ کیا ان کے لیے سیدے تھے؟ وہ شاندار کو در سے حرم میں داخل







تیسے آنکوش میں کلام اللہ کا پہلا بول اُترا تھا،  
سلام ہو اے جبل نور سلام ہو اے غار حرا،  
تو سجدہ گاہ معترف ہے،  
کعبۃ اللہ میں عقیدے کے فرمان پر جینیں جھکتی ہیں،  
ردفہ اظہر پر عشق کے حکم سے دل جھکتے ہیں،

اور ————— اے غار حرا

تیری بارگاہ میں وجدان کے اقتضا پر لگا میں جھکتی ہیں

سلام ہو ————— اے غار حرا

سلام ہو ————— اے جبل نور

یہ اس عاجز گنہگار، روسیاء، خامی اور محتاج کرم کی پکار ہے جو تیسے سامنے اس طرح کھڑا  
ہے جس طرح کشکول نقیر غنی کی چوکھٹ پر صدا دیتا، موج ساحل کو پکارتی تنہائی عشق سے  
ہم کلام ہوتی وصال اپنے جادواں ہونے کی دعا مانگتا اور عمر رواں آخرت کے سفینہ پر  
اُکر بٹھر جاتی ہے۔

میں نے سہیل سے کہا آخر اس بے توجہی اور آنا فراموشی کی وجہ کیا ہے؟ جس جگہ کو قرآن  
سیرت اور حدیث و تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے وہ بے اعتنائی کی مستحق ہے؟ اگر یہ چیزیں مکہ سے نکال دی جائیں  
تو مکہ کے پاس کیا رہ جاتا ہے بیت اللہ نے مکہ کو معراج بخشا لیکن اس معراج کو جس  
صاحب معراج کی معرفت ہم نے پہچانا اور مکہ ہمیشہ کے لیے ام القریٰ ہو گیا۔ اس کے آثار و آثار شریف  
رہے ہوتے تو مکہ میں کدو ارضی کے انسان کے لیے کیا کشش تھی؟ یہ چیزیں تو بیت اللہ  
کے حاشیے میں، عربوں کو احساس ہی نہیں کہ ان کے شرف و امتیاز کو انہی چیزوں نے

زندہ کر رکھا ہے یہ سب جس آقا کے دم قدم سے ہے وہی آقا عربوں کو ابد الابد تک  
اعزاز دے گیا ہے محمد عربی نہ ہوتے تو عربوں کی تاریخ اس کے سوا کیا تھی کہ اور قوموں  
کی طرح وہ بھی ایک قوم تھے جج اور عمرہ نے طلوع قیامت تک عربوں کی معیشت قائم  
کر دی ہے ان کے بازاروں کی رونق فرمودات کی ذات ہے کہ لوگ ان کے عشق میں  
ان کی دعوت پر کھچے آتے اور جہان ہو کر میزبانی کرتے ہیں؟

میں نے سہیل کو یاد دلایا کہ آل سعود کی حکومت یورپ کی ہر چیز سے متنفع ہو  
رہی ہے حتیٰ کہ طبیعت کو جوان رکھنے کا ہر سامان یہاں موجود ہے لیکن جس علم نے  
یورپ کی بالادستی قائم کی اور اس نے جوڑ بڑ کر اپنی تاریخ گھڑ لی ہے وہ علم عربوں  
کے ہاں حقیقی مآخذ سمیت موجود ہے اور عرب ہیں کہ اپنی تاریخ اپنے ہاتھوں میں  
رہے ہیں یورپ کا مزاج یہ ہے کہ وہاں علم کھنڈر تلاش کر رہا اور جستجو ویرانے کھود  
رہی ہے لیکن ہم تاریخ کی اس دولت سے جو سرور کو نبی کے سوانح و افکار پر روشنی  
ڈالتی ہے اور عظیم المرتبت صحابہ کے حالات و کوائف سے آگاہ کرتی ہے ایک ایسا  
برتناؤ کر رہے ہیں کہ اس پر غماض و استہلاک دونوں کا اطلاق ہوتا ہے یہ تاریخچہ ر  
عشق و دنوں سے نیا دتی ہے سعودی حکومت زن اول کی حکومت نہیں آج کی بادشاہت  
ہے۔ بادشاہت منشائے نبی نہیں قیصر دگر کی یادگار ہے کہ ہم نے اپنے لیے  
اسے مشرف بہ اسلام کر لیا ہے۔

سہیل کو اصرار تھا کہ یہ "بے حرمتی" یا "بے توجہی" شرک کی خرابیوں کا رد عمل ہے،

لوگوں نے ان جگہوں کو معابد بنالیا اور معبود حقیقی سے ہٹتے جا رہے تھے ان کے لیے

بیت اللہ سے زیادہ بیت رضوان کا درخت عزیز تھا کہ جس کے ہاں بچہ نہیں ہوتا



وہ عزت میں اس سے پیٹ چھو کر اولاد مانگتی تھیں۔

میں نے ہسپل سے کہا یہ کہانی صبح بھی ہو تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے، کہ وہ چیزیں مٹا دی جائیں جو بہر حال تاریخ کی یادگار ہیں۔

آخر نہ کعبہ اور مسجد نبویؐ بھی تو آثار ہیں؟ صفاد مردہ بھی تو شعائر اللہ ہیں، مزدلفہ کیوں جانتے ہیں؟ منی کیوں پہنچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے؟ حجرۃ العقیقہ، حجرۃ الوسطیٰ اور حجرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں، جو رسمیں دلائل ادا کی جائیں وہ مظاہر ہیں۔

انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملت تیار کی یہ قول اقبالؑ دین اللہ کی طرف سے آنا اور ملت پیغمبر بناتے ہیں۔

اس عالی شان پیغمبر کا مولد ممکن، اس کی دعوت کے مراکز و منازل اور نزول وحی کے محور و محیط کیوں نہ محفوظ کئے جائیں اس کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے انسانوں

کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟ یہ سب یادگاریں ان انسانوں کی ہیں جو تاریخ کے دھارے کو ابد الابد تک موڑ کے زندہ جاوید ہو گئے، جن کا نام اور کام صبح قیامت

تک زندہ رہے گا جن کے لیے تمام عزتیں ہیں جو حضورؐ کے اہل بیت رفتے و جدان جہنم عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتے پھرتے دیکھتا ہے۔ ان کے آثار محفوظ نہ

رہیں تو پھر کون سی چیز محفوظ رکھی جائے گی۔ سعودی حکومت نے شریک کو مہدم کی لیکن ساتھ ہی عشق کو بھی مساکر کر دیا ہے۔ وہ شریک و عشق میں امتیاز نہیں کر سکی حالانکہ یہ

چیزیں عقیدہ نہیں تاریخ ہیں جس قوم نے سب سے پہلے دنیا کو تاریخ دی اور جس کے مآخذ کلام الہی نے محفوظ کئے ہیں۔ وہ قوم آج اپنی تاریخ مٹانے پر تھی ہو تو یہ ایک

المیہ ہے ان آثار کی تعظیم دین کا مسئلہ نہیں بلاشبہ توحید باری ان پرستشوں کی اجازت

نہیں دیتی لیکن یہ مسئلہ تہذیب کا مسئلہ ہے!

سلام کی اس سرزمین پر آل سعود کی حکمرانی ضرور ہے اور اس کا نظم و نسق بھی اسی کے حوالے ہے لیکن یہ علاقہ آل سعود کی میراث نہیں بلکہ ملت عربی بھی تھا اس کی وارث نہیں یہ سرزمین بالخصوص مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کی سرزمین جہاں تہاں رسول اللہؐ آتے جاتے رہے۔ بلکہ پورا عرب دنیا سے سلام کا مامن ہے تمام مسلمان حکومتوں کو مذہباً اس کی توثیق حاصل ہے، آل سعود تو اس کی مسئلہ ہے۔

ہسپل کو میسر جذباتی ہونے کا یقین ہو گیا اس کے باوجود میں نے اُسے قائل کر لیا کہ یہ چیزیں اس بے رخی کی سزاوار نہیں یہ تاریخ کے اجزاء ہیں اور انہیں اس لحاظ سے باقی رہنا چاہیے کہ علم کے چار ذریعے میں پہلا وحی دوسرا آثار قدامہ جس کی بنیاد قرآن حکیم نے سیر دنی الارض پر رکھی اور تاریخ کو ایام اللہ کے ذکر سے تعمیر کیا ہے تیسرا ذریعہ علم النفس اور چوتھا صحیفہ نطش ہے۔ سیر دنی الارض کی غایت کیا ہے؟ آثار قدامہ کا مطالعہ اپنی چیزیں ہیں جو تاریخی مصیبت کو زندہ رکھتی اور عقیدہ میں عقیدہ پیدا کرتی ہیں۔

جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل قبرستان ہے منی کے راستہ پر مسجد الحرام سے ایک میل دور ہے یہاں سے ایک چوڑی شرک نکالی گئی ہے جس سے قبرستان کے دو حصے ہو گئے ہیں گردا گرد ایک پختہ چار دیواری ہے کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں سب نشان ڈھک دیئے گئے ہیں ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں چراغ نہ پھول، کسی کسی قبر پر نشانہ ہی کے لیے کھدیاں پڑی ہیں۔



عجب دیرانہ ہے۔ جس حصہ میں حضرت اسماعیلؑ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن مبارکؓ، امام ابن جریرؓ اور سعید بن مسیبؓ (کشتگان حجاج بن یوسفؓ) کی قبریں ہیں وہاں اندر جانے کے لیے ایک دروازہ ہے لیکن وہ قبور پر حاضری کے لیے نہیں نئی میتوں کے لیے ہے۔ اور جس حصہ میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور ان کے افراد و نندان آرام فرما رہے ہیں یا حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ، حضورؐ کے تخت جگر قاسم اور حضورؐ کے چچا ابوطالب مدنون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں، لٹٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہو گئی ہیں کسی تودہ پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے۔ پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا۔

میں اور ہبیل ایک پہاڑی پر چڑھ گئے وہاں سے حضرت خدیجہؓ کی قبر پر نگاہ کی اُم المؤمنینؓ کا مزار۔؟ میں کانپ اٹھا، میرا دل دھک دھک کرنے لگا مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے لیکن جس عورت کو پیغمبرؐ آخر الزماں کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فاطمہ الزہراءؓ کی ماں تھیں وہ ایک قبر دیران میں پڑی ہیں میں اپنے تئیں ضبط نہ کر سکا آنکھوں میں بدلیاں آگئیں میں نے کہا ہبیل! عربوں کا حجاج ہی ان کے لیے مزار ہے کیا خدیجہؓ الکبریٰؓ کی زندگی ہمیں گزار رہی۔ حضورؐ کو بعثت کے پہلے گیارہ سال ستایا گیا اُم المؤمنینؓ کو اب ستایا جا رہا ہے۔ حضورؐ مدینہ میں؟ اُم المؤمنینؓ مکہ میں! اس عورت۔۔۔ عظیم عورت کا انسانیت پر کتنا بڑا احسان ہے؟ سب سے پہلی آواز جس نے نبوت کی بشارت پر صاوت

کی اپنی جسارت پر مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے اس ڈھیری (لحد) کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ کیا میں بل گیا ایک لکپی طاری ہو گئی۔

مرا لے کا شکے مادر نہ زادے

جو لوگ اس کا نام قرآن و سنت کے احکام رکھتے وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے، ادبچے اور بچے محل بناتے، محمدؐ عربی کی دولت سمیٹتے اور اس کا نام خزانہ شاہی رکھتے ہیں جس ذات اقدس کے صدقہ میں عزیمت پائی، میں اس کے آثار اقدس کی یہ بے حرمتی؟ یہ قرآن و سنت نہیں امانت اور صریحی امانت ہے اللہ کی زمینیں اور ان کے دینیہ سب اس کی مخلوق کا مال ہیں۔ کسی فرد کو یہ حق نہیں کہ انسانوں کو گلہ بنا لے خود چرواہا بن بیٹھے گوشت کھالے کھا لیں پیچ ڈالے، موت کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی جو موت کی اس طرح ہتک کر رہے ہیں موت ان سے بھی متعاقب ہے لیکن جنت المعلیٰ میں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ہمیں زندہ کر گئے ہمیں بقا دے گئے جو منہ پھیر کے شاہوں پر نگاہ کرتے تو ان کی گودڑیوں سے خلعت فاخرہ کانپ اٹھتے تھے سعودی حکومت عشق اور شرک میں فرق نہیں کر سکی ہے۔ رحمت ان قبروں میں سونے والوں پر اور عجب تر ہمارے لیے!

کتنی عظیم زندگیاں ان قبروں میں سو رہی ہیں۔

جبل عمر کو کاٹ کر اس کے بیچوں بیچ ایک سڑک نکالی گئی ہے یہ سڑک ایک طرف جدہ کو مڑتی دوسری طرف مدینہ طیبہ کو جاتی ہے سڑک بڑی کشادہ ہے اس کے دو رویہ سچے متوسط درجے کے لوگ رہتے ہیں نئے نئے مکانوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے وہ حصہ جہاں سے پہاڑ دو نیم کیا گیا اور سڑک نکالی گئی ہے ایک



عجیب تاثر پیدا کرتا ہے۔ اب بھی اس پہاڑ سے ایک دبدبہ جھلکتا اور ایک ہیبت برستی ہے۔

دار ارقم میں حضور دعا کر رہے ہیں اللہ العالمین! ابن ہشام (ابو جہل) اور ابن خطاب (عمرؓ) میں سے کوئی ایک سلام کو دے دے، مگر حضورؐ کے قتل کی نیت سے جا رہے ہیں اور پہاڑ تختہ زیر لبی سے کہہ رہا ہے اے شمشیر داغے! تجھ میں بوتا کہاں کہ اس نگاہ کی تاب لاسکے تھوڑی سی دیر میں وہ نگاہ تجھے شکار کرے گی۔ کاٹ اس کی بے جو اپنے بسملوں کو زندہ جاوید کرتی اور اپنے زخموں کو آب حیات پلاتی ہے۔ اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل جاتے ہیں، کہاں جا رہے ہو عمر!

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔“

نعیم: ”پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ فوراً پلٹے، بہن قرآن پڑھ رہی ہیں، بھائی کی آہٹ سنی تو چپ ہو گئیں، قرآن کے اجزا چھپا لیے آواز عمر کے کانوں میں پڑ چکی تھی بہن سے پوچھا کیسی آواز تھی، بولیں کچھ نہیں، کہا میں سن چکا ہوں، تو تکرار ہو گئی۔ بہن نے اقرار اور اعلان کیا کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے اور اب اس کے دل سے سلام نہیں نکل سکتا، عمر نے خواہش کی اچھا قرأت کرو، عمر کا دل بل گیا۔ یہ قول اقبالؒ

دگرگوں کرد و تنقیر عمر را

عمر خبیثہا حضورؐ کے ہاں پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، محسن کائناتؐ نے پوچھا، عمر کس ارادے سے آئے ہو، نہایت خشنوع کے ساتھ عرض کی۔ ایمان

لانے حضورؐ اور صحابہؓ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں اس وقت تک کوئی چالیس آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور انتہائی بے بسی کا عالم تھا ان کے لیے اپنے سلام کا اعلان کرنا مشکل تھا۔ وہ چوری چھپے ناز پڑھتے تھے ان کا کعبہ میں ناز پڑھنا ناممکن تھا۔ عمرؓ نے باواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا، مشرکین مکہ دشمن ہو گئے۔ لیکن عمرؓ نے کہا اب ناز کعبہ میں ہو گی۔ چنانچہ حق و باطل کے اس معرکہ میں اسلام کی سر بلندی پر حضورؐ نے انہیں فاروقی کا لقب مرحمت فرمایا، یہ قول عطا اللہ شاہ بخاری عمرؓ حضورؐ کی مراد تھے اس مراد نے مسلمانوں کو با مراد کیا کفار مکہ بے مراد ہو گئے۔

جبل عمر پر میں اور ہیل گھنڈ بھر کھڑے رہے ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بارہویں محسوس کر رہا تھا کہ میں عمرؓ کے سامنے لایا گیا ہوں ان کے ہاتھ میں درہ ہے وہ مجھ سے سوال کر رہے ہیں تم کس صدی کے مسلمان ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کون ہو؟ اور میں جواب دینے کی ہمت نہیں پاتا۔ معا غصور نے پلٹا کھایا جیسے میں سورہا تھا اور میری آنکھ کھل گئی ہو۔ میں نے سوچنا شروع کیا۔

کاشش! میری پیٹھ عمرؓ کے درہ سے لیز ہوتی۔

کاشش! میں اس ریوڑ میں ہوتا جو حضورؐ چرایا کرتے تھے۔

کاشش! میں عثمانؓ کے باغ کی جھاڑ ہوتا۔

کاشش! حدیق اکبرؓ کے ان قدموں کی چاپ ہوتا جو رسول اللہؐ کے ساتھ غار ثور کی طرف گئے تھے۔



کاش! میں کھجور کی وہ چھال ہوتا جو علی مرتضیٰؑ کا تکیہ تھا۔

وہ ریڑ، وہ قدم، وہ ڈرہ، وہ جھار، وہ چھال کتنے بیش بہا تھے مجھے اپنے انسان ہونے پر شرم آنے لگی! سوچ دائرے بنانے لگی، خیالوں کا لاؤشکر بندھ گیا وہ تمام مقدس لوگ جو اس کرہ کی آبرداران مکانوں کا شرف تھے میرے سامنے سے گزر گئے اس طرح جیسے نور کی لکیر اندھیرے میں پھیل کر سن سے نکل جاتی ہے۔ عقیقہ نے مجھے اللہ کا بندہ، عشق نے حضورؐ کا شہیدا اور تاریخ نے عمرؓ کا گردیدہ کر دیا، ابوبکرؓ کی شخصیت، عثمانؓ کی شہادت اور علیؓ کے فتر کی چھاپ دل پر اس طرح لگی کہ اس رنگ کا صبح قیامت تک اُترنا ممکن نہیں رہا یہ خدا کی دین ہے۔

تاریخ اسلام عمرؓ کے جلو میں ہے، خلافت راشدہ کے فخر و ناز کی پونجی ان کے بغیر نصف رہ جاتی ہے انہیں نبوت نے فتح کیا وہ خلافت راشدہ کا دل تھے افسوس کہ آج عربوں کی پوری کھپ میں ایک بھی عمر نہیں ہے۔ کوئی دیرانی سی دیرانی ہے۔

عربوں کو اب بھی ایک عمر کی ضرورت ہے جبل عمر بلاشبہ انہی تکبیریں، انہی خطبوں انہی آوازوں اور انہی انسانوں کے انتظار میں کھڑا ہے جنہیں زمانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اور جو قیامت کی صبح کو ٹوٹیں گے۔ عمر فاروقؓ پہلے گئے، عمر رواںؓ گزر رہی ہے ہم اس زمانہ میں پیدا ہوئے جب انوں کو رنگ لگ گیا اور ذہنوں کا رنگ بدلا گیا، جب پہاڑ کاٹے جا رہے اور ایک کرہ دوسرے کرتے سے مغل گیر ہو رہے جب سائنس نے اعلان کیا ہے کہ وہ انسان کی آوازیں خلا سے اُتار لے گی اور وہ سب کچھ سنا جائے گا جو عہد عتیق کے مقدس انسانوں کی میراث ہے وہ آوازیں

کب ہاتھ آئیں گی، ہماری زندگی میں یہ ہوگا! یا ہم اس سے پہلے ہی رختِ سفر باندھ کر جا چکے ہوں گے! کیا ضروری ہے کہ سائنس ہی وہ آوازیں سنائے، عشق کو زندہ کیجے اور سنئے کہ وہ آوازیں آرہی ہیں، وہ تکبیریں گونج رہی ہیں جو فتح مکہ کے دن بیت اللہ کے صحن میں بلند ہوئی تھیں اور جن سے کفار مکہ لرزہ برآمد ہو گئے تھے۔ غار ثور مکہ معظمہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ہے اور راستہ کھٹن ہے اس کے مشابہہ یہاں اور بھی کئی غار ہیں۔ سعودی حکومت معمولاً تلوار لیے کھڑی ہے۔ امتناع اور تغافل کی تلوار، حالانکہ غار ثور ہجرت پیغمبرؐ کا سرنامہ اور مسافرت نبویؐ کا دیباچہ ہے۔

حضرت علیؓ بستر نبوت پر استراحت فرما رہے ہیں حضورؐ، ابوبکرؓ کی معیت میں سامان سفر باندھ چکے اور عبداللہ ابن زبیرؓ کی عظیم ماں اسماء بنت ابی بکرؓ کا تیار کر رہی ہیں۔ فرمایا۔

مکہ تو مجھے دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن ترے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے کفار مکہ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے کہ محمدؐ کہاں چلے گئے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں غار ثور تک آپہنچے ہیں لیکن مشیت الہی نے غار کے دہانے پر مکڑی سے جالا بڑا دیا اور شروع میں بھول آگیا دیا ہے۔ خدا کے حبیبؐ کا فدائی ابوبکرؓ غمزہ ہے۔ مبادا ان بد بختوں کے مانعوں ہدایت کا آخری چراغ گل ہو جائے حضورؐ فرماتے ہیں:

لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے

غار ثور تین دن میزبان رہا۔ عبدالرحمان بن ابوبکرؓ شب کو وہیں سوتے منہ اندھیرے



چلے جاتے اور شام تک قریش مکہ کی خبریں اکٹھی کرتے پھر رات واپس آکر گوشنزار کرتے ابو بکرؓ کا غلام دعامر بن نفیرہ کچھ رات گئے بکریاں چراتا۔ آپ اور ابو بکرؓ اپنی بکریوں کا در درھ پیتے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے ابو بکرؓ کی بیٹی اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر لائیں تین دن اور تین رات یہ دونوں عظیم وجود وہاں بٹھہرے۔ پھر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

سراقہ بن مالک جعفی قریش کے گراں بہا انعام کی دھن میں بنگلا دور تک تلاش کرتا چلا گیا لیکن اللہ کا رسولؐ قریش کے بدادلوں سے مامون ہو چکا تھا۔

غار ثور ان دو انسانوں کے بعد کہ ان میں ایک پیغمبرؐ تھا ایک صدیقؐ اس پر ہے اس کا تذکرہ قرآن میں محفوظ ہے۔ لیکن بارشامت نے قرآن رسنت کی آڑ میں اس پر ویرانی کی دیوار کھینچ دی ہے!

ابو بکرؓ نے جہاں مکی زندگی گزارا تھی ہم اس مکان سے ہوتے ہواتے دارالتم پہنچ گئے اب صفا کے پہلو میں اس کا نشان رہ گیا ہے ایک بہت بڑی بلڈنگ جس میں کئی دوکانیں اور دفاتر قائم ہیں۔ صفا اور مردہ کے حاشیہ پر کھڑی ہے۔ اس عمارت میں یہ مکان بھی ضم ہو چکا ہے اس مکان کو بڑے شرف حاصل تھے حضرت ارقمؓ گیارہ بارہ اصحابؓ کے بعد ایمان لائے تھے۔ تب سرد کائنات اور ان کے گیارہ بارہ ساتھی اس مکان میں چھپ کے رہتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہیں اسلام قبول کیا تھا منصور عباس نے حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمانؓ کو امام حسن کے پوتے کی حمایت کے جرم میں قید کر دیا پھر رہائی کا وعدہ دے کر یہ مکان سترہ ہزار دینار میں خرید لیا۔ خلیفہ ہدی نے اپنی جاریہ خیرداں کو دے دیا آخر یہ منظرہ تہس جہاں قرآن پاک کی بہت سی آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ شاہوں کی نذر ہو کر مٹا ہو گیا۔

ابوسفیانؓ کے مکان میں سعودی حکومت کا شفا خانہ ہے جانے کتنے مریضوں کو شفا ہوتی ہے! کعبۃ اللہ سے باہر صفا کے نشیبی رخ پر جہاں کبھی ابو جہل کا مکان تھا۔ حکومت نے تہہ خانہ دے کر ہر قسم کی بدبو سے محفوظ بیت الخلاء بنا دیا ہے ایک وقت میں کوئی پانچ سو افراد آ جا سکتے ہیں۔

مکہ کا چہ پہ پہ تاریخی ہے لیکن جو چیز محفوظ نہیں کی گئی وہ تاریخ ہی ہے۔

بیت اللہ کے علاوہ کوئی مسجد اپنی روایتوں کے مطابق محفوظ نہیں بعض جگہ لیا پوتی کی گئی ہے لیکن واجبی، مسجد الرایہ، مسجد الحن، مسجد حنیف، مسجد العقی و غیرہ قرآن کے نزول اور اللہ کے رسولؐ کی نشانیاں ہیں لیکن انہیں کوئی شاہ جہان یا اور نگریب نہیں ملا۔ بیت اللہ کے شمال مشرقی کونہ میں ایک قد آور پہاڑ پر مسجد بلال ہے بیت اللہ سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے الف پر مد کھی ہوئی ہے یا پہاڑ نے آغوش میں شیر خوار بچہ اٹھا رکھا ہے۔ یا کسی بدو عورت کی پیشانی پر جھومر ٹک رہا ہے یا جبل ابی قیس پر اذان بلال فراق یار میں ضم ہو گئی ہے۔ یہ چھوٹی سی مسجد پہاڑ کی چوٹی پر دیوان بلال کا مطلع اول ہے۔ گماں ہوتا ہے کہ پہاڑ کی پکیں سفید ہو گئی ہیں۔ اور یہ بھی نظر آتا ہے کہ جبل ابی قیس قصیدہ ہے تو یہ اس کی تشبیہ! جیسے پہلو میں دل یا نگاہ میں سوال، کعبۃ اللہ سے اتنی بلند ہے کہ اس کے میناروں سے بھی اونچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے غلام کو اس طرح سرفراز کیا ہے شوق الف کا معجزہ اسی پہاڑی پر ہوا تھا۔ حضورؐ نے یہاں ہی سب سے پہلے اہل مکہ کو پکارا تھا۔ سیدنا ابراہیمؑ نے یہیں سے حج کا اعلان کیا تھا اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تھا۔ جبین نے کہا مسجد بلال میں بھی دو رکعت پڑھ لیں بیت اللہ کے مسجدوں سے بڑھ کر کوئی مسجد نہیں۔



مسجد بلال کو نیچے کھڑا کرتا رہا اور سوچتا رہا۔

وہ عظیم حبشی رئیسے سامنے تھا۔ جو پہلے سات حلقہ بگوشاں رسالت میں سے ایک تھا جس کو عشق رسولؐ میں آنا ستایا گیا کہ پہاڑ اس کی تاب نہ لاسکے۔

وہ تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دھکتے ہوئے انگاروں پر لوٹ رہا ہے ابو جہل نے اوندھے منہ لٹا کر اُد پر چکی کے پاٹ رکھ دیئے ہیں۔ لڑکوں نے گلے میں رسیاں ڈال رکھی ہیں۔ لیکن سب گوارا ہے محمدؐ عربی سے انحراف گوارا نہیں اسے گلانے کی کھال میں لپیٹ کے اور لوہے کی زرہ پہنا کر بازاروں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ لیکن زبان احد احد پکار رہی ہے ابو بکرؓ آتے معاوضہ دے کہ خریدتے اور کھڑے کھڑے آزاد فرما دیتے ہیں لیکن بلالؓ کہاں جاتے وہ تو محمدؐ عربی کے عشق کی رسی میں بندھ چکے تھے۔

بلالؓ اذان دے رہے ہیں مردوں کے ٹھٹھ لگ گئے ہیں عزیمتیں شبستانِ حرم سے نکل آئی ہیں اور بچے کھیل کے میدان سے آکر گوش بر آواز ہو گئے ہیں ایک آواز نے سب پر جاودہ کر دیا ہے۔ بلالؓ آستانہ نبوت پر کھڑے عرض کر رہے ہیں۔

یا رسول اللہ نماز تیار ہے

اور رسول اللہؐ بلالؓ کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں پہلی اذان بلالؓ کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفات پاگئے تو عہد کر لیا اب اذان نہیں دوں گا لیکن عمرؓ ساتھ لے کر بیت المقدس میں گئے تو اذان کی فرمائش کی مجمع نے بلالؓ کا نغمہ سنا تو بے تاب ہو گیا۔ عمرؓ کی سیجکی بندھ گئی۔ کچھ دنوں بعد بلالؓ شام سے مدینہ آئے۔ جنین کو چٹا چٹا کر پیار کر رہے تھے۔ جنین نے کہا فجر کی اذان بیجئے

آقا کے نواسوں کی خواہش تھی کیونکر مٹاتے؟ سارا مدینہ گونج اٹھا، مرد و زن آبدیدہ ہو ہو گئے جہاں تہاں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی کہ مؤذن رسولؐ کی آواز تنہا گونج رہی ہے اسد الغابہ میں ہے کہ مدینہ میں ایسا پراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ بلالؓ آج بھی زندہ ہے۔ جبل ابی قیس اب بھی اس کے قدموں کی چاپ سنتا اور اس کی اذانوں سے رشتہ محسوس کرتا ہے۔ ابو جہل مٹ گیا، بلالؓ زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہیگا جب تک کائنات باقی ہے اذان گونجتی ہے سلام باقی ہے، قرآن بولتا ہے اب بھی وہ حبشی کعبہ کی چھت پر پکار رہا ہے اور قریش مکہ جو اپنی خاندانی وجاہتوں کے ٹکے باندھ کر لات دعویٰ کے سامنے گردن نہیڑاتے تھے۔ چاروں طرف دم بخود کھڑے ہیں۔

اللہ اکبر	اللہ اکبر
اللہ اکبر	اللہ اکبر
اشہد ان لا الہ الا اللہ	اشہد ان لا الہ الا اللہ
اشہد ان محمد رسول اللہ	اشہد ان محمد رسول اللہ
حسبی علی الصلوہ	حسبی علی الصلوہ
حسبی علی الفلاح	حسبی علی الفلاح
اللہ اکبر	اللہ اکبر
لا الہ الا اللہ	لا الہ الا اللہ

وہ زمانہ بھی تھا کہ عمارؓ بن یاسرؓ پٹ رہے ہیں ان کے والد موت کے چنگل میں ہیں، ان کی والدہ کو ابو جہل نے برہمی مار کر آخری نیند سلا دیا ہے، صہیبؓ رومی اذیتوں کے



تسلل سے جو اس کھو بیٹھے ہیں، ابو فکیہ کے سینہ پر بھاری پتھر پڑا ہے اور ان کی زبان باہر نکل آئی ہے، حضرت زبیرؓ ابو جہل کی مار کھاتے کھاتے آنکھیں کھو بیٹھی ہیں ان کا جرم کیا ہے کہ محمدؐ کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں یہ غلام ہیں یا کنیزیں۔۔۔۔۔

دارالندوہ جو کبھی روسائے مکہ کا مرکزی دفتر تھا جہاں رسول اللہ کے خلاف مشورے ہوتے تھے اور وہ غلامان رسالت کی چیخوں پر ہنستا تھا آج کعبۃ اللہ کے قدموں میں ہے اس کے روماء کو موت چاٹ گئی ہے لیکن ان غلاموں اور لونڈیوں کے نام ابدالباد تک زندہ ہو گئے ہیں کہ یہ خدا اور رسولؐ کی محبت کے جرم میں ستائے گئے تھے۔ اب انہیں تمام امت کے افراد میں اولیت حاصل ہے۔

عشقِ مکہ کی پہاڑیوں میں ہے اس مکہ میں نہیں جواب بن گیا اور بن رہا ہے جہاں یورپی اور جاپانی مصنوعات کی مارکیٹیں ہیں کہ دیاں عشاق نہیں خریدار آتے ہیں صبح و شام گاہک ٹوٹے پڑتے ہیں عربوں کا سونا اور حجاز کا تیل سب غیر ملکی مصنوعات درآمد کئے جانے پر صرف ہوتا ہے یورپ اور جاپان کے سامان عیش کی اس سے بڑی مارکیٹ کبھی خط میں نہیں۔ دوسرے ملکوں سے لوگ بھی اشیاء ان کے حسن یا اپنی نفاٹس کے لیے خریدتے ہیں لیکن یہی چیزیں یہاں درآمد ہو کر تحفہ حرمین اور ثواب دارین ہو جاتی ہیں سکرٹ اور منی سکرٹ تک بکتی ہیں۔ ان کی بڑی خریدار عرب عورتیں ہیں۔ کھانے کی اکثر چیزیں باہر سے آتی ہیں آٹس کریم تک امریکہ اور انگلستان سے آتی ہے مکہ کے لوگ تو اب تک تسبیح تیار نہیں کر پائے جاد نماز نہیں بنا سکے عقاب تک درآمد ہوتا تھا کہ مصلیٰ اٹلی سے بن کے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں یورپ بھیجتا رہا۔ عرب خرید کرتے اور وہ لوگ جنہیں دنیا بھر کے ملکوں سے عقیدہ و عشق یہاں

کھینچ کے لاتے ہیں ان کے ہاتھ فروخت ہوتے ہیں، سوئی اور بٹن تک عربوں کے نہیں کاغذ اور قلم ایک طرف رہے پاؤں کے جوتے بھی جاپان اور یورپ سے آتے ہیں پہلے تو حرم کے لیے پتھر بھی اٹلی سے آتا تھا غیرت ایزدی نے گوارا نہ کیا حجاز کے پہاڑوں سے پتھر نکلا اور وہی حرمین کے علاوہ بعض تاریخی مسجدوں میں لگ رہا ہے، ہر بازار یورپ کی منڈی ہے، کعبۃ اللہ کے چاروں طرف جتنی دوکانیں ہیں ان لوگوں کی مصنوعات سے بھری پڑی ہیں جن کا داخلہ حرم میں ممنوع ہے وہ حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکتے داخل ہو تو قتل کئے جاسکتے ہیں۔ ان کے قتل پر قصاص نہیں، بیروت (لبنان) کے رسالے جو امریکہ و فرانس اور برطانیہ و جاپان کے عربیوں کے رسالوں کے کان کرتے ہیں کعبۃ اللہ کے اردو سٹورس کی دوکانوں اور سٹالوں پر حکم کھلاکتے ہیں ان کی خریدار امرائے عرب کی عورتیں ہیں۔

یہ پورا دن بسیل کی ہمراہی میں نکل گیا عصر اور مغرب کی نمازیں حرم میں پڑھیں پھر فضل حق کی دوکان پر دوست اکٹھے ہو گئے ان سے پاکستان کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ حرم میں رہنے کے باوجود انہیں اپنے وطن کی یاد آتی اور وہ ملک کا ذکر اس محبت سے کرتے ہیں جس محبت سے ہمارے ہاں بچے متوسط طبقہ کے لوگ دن ڈھلے لوگ گیت اور لوک کہانیاں چھیڑ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

عشا کی نماز پڑھ کر ہم ملک عبداللہ کی طرف چلے گئے ان کے ہاں کھانا تھا۔ وہاں کئی دوست مل گئے پاکستان ہی کا ذکر رہا محمد اشفاق قریشی اور ظفر اقبال انجینئر کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی سے عربوں کی عادات اور خصائل کا پتہ چلا، عرب کے مختلف مصنوعات پر بات چیت رہی میرا یہ احساس پہلے سے کہیں زیادہ قوی ہو گیا کہ



ہم فارسی کے بجائے عربی سیکھتے تو بہتر تھا اب تو وہ عرب ہی نہیں رہے جو کبھی تھے اور جن کی تاریخ ہمارے لیے سلام کی تاریخ ہے لیکن برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو عرب سلام ملتا تو مسلمان معاشرہ اس سے مختلف ہوتا جو آج ہے اور جس میں ایران و ہندوستان کی پراچین تہذیب کے پیوند لگے ہوئے ہیں۔

ایک بچے شب بیت اللہ چلا گیا نور کا وہی سماں جو ہر لحظہ ہوتا ہے، بندھا ہوا تھا اور لوگ طواف کر رہے تھے پہلے طواف کیا پھر مقام ابراہیم کی طرف کیسو ہو کر بیٹھ گیا۔ سورہ اخلاص کا ورد کرتا رہا انتہا لکایہ شعر ذہن میں آگیا۔

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست

من از حرم نگنہ شتم کہ بچہ بنیاد است

شعر کا جو لطف یہاں آیا اور جس مزے میں پڑھتا رہا بیان کرنا مشکل ہے معانی و مطالب کی اتنی گراہیں کھلیں کہ سمیٹنا دشوار ہو گیا۔

ایک کے بعد دوسرا دور، بار دیکھو وہ لوگ جو اس کی بنیاد رکھ گئے کہیں گئے نہیں یہیں ہیں، ادھر ادھر پھر رہے ہیں ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے وہ ہمیں دیکھتے ہیں یہ ابراہیم کا اٹھایا ہوا اور محمد کا بسایا ہوا گھر ہے اس کو ڈھانے والے خود ڈھے گئے لیکن یہ پہلے ہی دن کی طرح جگہ گار رہا ہے۔

عبداللہ ابن زبیرؓ عظیم میں نماز ادا کر رہے ہیں ایک رات قیام میں گزارتے دوسری رکوع میں تیسری سجدہ میں ابن عباس کہتے ہیں کہ ان کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ہو ہو تصویر ہے عثمان بن ابی طلحہ کی روایت کے مطابق کوئی شخص تین چیزوں میں ان کا حریف نہیں عبادت، بلاغت اور شجاعت۔ سات یا آٹھ

سال کے تھے کہ زبیرؓ نے بیعت نبوی کے لیے پیش کیا گو وہیں تھے کہ ماں نے آغوش میں دے دیا۔ حضورؐ نے تبرکاً کھجور چبا کر منہ میں ڈالی اس مائدہ عالم سے جو سب سے پہلی نعمت عبداللہ کے منہ میں گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ آپ کے والد حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ آپ کی پھوپھی تھیں حضورؐ کی پھوپھی صفیہؓ آپ کی دادی اور ابو بکر صدیقؓ نانا تھے ان کی بیٹی اسماءؓ والدہ اور اُم المومنین عائشہؓ خالہ تھیں۔ کتنا صالح خون ایک انسان میں جمع ہو گیا تھا۔

عام بچے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر ہٹ جاتے اور کھیلتے ہوئے بھاگ جاتے۔ تھے ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت عمرؓ ادھر سے گزے سب بچے بھاگ گئے لیکن ابن زبیرؓ اپنی جگہ کھڑے رہے حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم کیوں نہیں بھاگ گے؟ تڑاک سے جواب دیا۔

”میں کیوں بھاگتا نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا نہ راستہ تنگ تھا کہ آپ کے لیے چھوڑتا۔“

مختلف جنگوں میں اس بے جگر می سے لڑے تھے کہ ان کے بدن پر چالیس سے زیادہ زخم تھے، امیر معاویہؓ کو یزید کی جانشینی کے مسئلہ پر دو ٹوک جواب دیا تھا۔ معاویہؓ نے رحلت کے وقت اپنے بیٹے کو جن دو عربوں سے بچنے اور منٹنے کے لیے کہا تھا ان میں ایک امام حسینؓ اور دوسرا ابن زبیرؓ تھے۔ چنانچہ جبل البقیس سے پہلی آتش باری یزید کے حکم پر حصین بن نمیر نے کی، اس دوران میں یزید مر گیا۔ حصین بن نمیر لوٹ گیا۔



جبل بوقیس کی طرف دیکھا تو مسجد ہلال کے گرد اگر کوئی ہنڈے روشن تھے ۶۲ ہجری کا زمانہ پھر گیا حجاج کئی ماہ سے حرم کا محاصرہ کئے بیٹھا ہے آتش زنی اور سنگ باری کا سلاب اُڑ رہا ہے محاصرہ کی سختیوں نے قیامت صغریٰ بپا کی ہوئی ہے عبداللہ ابن زبیر کے دس ہزار آدمی ان کا ساتھ چھوڑ کے حجاج کے ساتھ مل گئے ہیں، حتیٰ کہ حمزہ اور حبیبہ دو لڑکوں نے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے عبداللہ ابن زبیر سو برس کی بڑھیا ماں اسامہ سے پوچھتے ہیں۔

اماں ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں!  
صدیق اکبرؓ کی بیٹی کہتی ہیں،

”لخت جگر تم کو اس کا یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور حق کی دعوت دیتے ہو تو جاؤ اس کے لیے لڑو، کب تک دنیا میں رہنا ہے حق پر جان لے دینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔“

بیٹا کہتا ہے اماں مجھے یہ خوف ہے کہ حجاج میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میری لاش کو منہ کر کے سولی پر لٹکائے گا اس کی بے حرمتی کرے گا۔  
اماں کہتی ہیں،

”بیٹا فوج ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام کرو۔“

اماں رخصتی بوسہ دیتے وقت زرہ اُتر دیتی ہے کہ جان دینے والے ذرا نہیں پہنا کرتے وہ کعبۃ اللہ میں لوٹ آتے اور سینہ سپر ہو جاتے ہیں مقام ابراہیمؑ کے آس پاس ایک شامی کا پتھر لگا سر کھل گیا چہرہ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا زبان پر ایک شعر تھا کہ

”ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون گرتا ہے ہم وہ ہیں کہ ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔“

حجاج نے قتل کے بعد لاش کو سولی پر لٹکوا دیا اور اسامہ کو بلوایا ماں نے بیٹے کو سولی پر دیکھا تو حجاج سے کہا،  
”کیا ابھی اس سوار کے اُترنے کا وقت نہیں آیا؟“  
حجاج بولا،

”دیکھا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا ہے۔“

اسامہ بولیں،

”تو نے ان کی دنیا خراب کی انہوں نے تیری آخستہ برباد کر دی۔“

یہ اس عظیم ماں کا دوسرا بچہ تھا، ایک بچہ مصعب عراق میں اسی بہادری سے حلیف عبدالملک کے ہاتھوں شہادت کا جام پل چکا تھا۔

اس صلہ میں حجاج، حجاز کا عامل ہو گیا دوسرا دار عبداللہ بن عمرؓ پر کیا ان کے پاؤں میں ایک عجی غلام سے زہر میں بھی ہوئی انی چھوادی جس سے وہ جاں بحق ہو گئے ان کا جنازہ اٹھا تو حجاج ایک پہاڑی پر کھڑا مسکرا رہا تھا حجاز کے شرفاء و صحابہ پورے دو ماہ تک اس کے ہاتھوں مرتے رہے تاکہ وہ عراق چلا گیا وہاں کو فز کی جامع مسجد میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ

”سروں کی فصل پک چکی ہے اور کٹائی کا وقت آگیا ہے میری نظریں وہ

خون دیکھ رہی ہیں جو گیلوں اور دڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے۔“

کو فہ خون سے جل تھل ہو گیا۔ پھر سعید بن جبیرؓ قتل میں لائے گئے ۹۴ سال



کے اس عظیم انسان کو حلق پر چھری پھر داکر ختم کر دیا۔ سعید نے کہا اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا یہ میری امانت ہے قیامت کے دن تجھے ادا کرنا ہوگی پھر دعا کی حد ادا میں سے بعد حجاج کو تسلط نہ دیجو کہ کسی کو قتل کر سکے۔

امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں جب حجاج نے ابن زبیرؓ کو قتل کیا تب روئے زمین پر ایک شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔

پھر بیٹے! حجاج کو ذ کے محل میں سرداروں سمیت بیٹھا ہے ایک لڑکا جس کے بال اس کی کمر تک لٹک رہے ہیں صدا دیتا ہوا نکلا ہے۔

”خدا کی زمین پر کیا اونچے اونچے محل بنائے ہیں یہ مضبوط تلے اس لیے بنائے ہیں کہ ہمیشہ جیتے رہو گے۔“

حجاج نے لڑکے کو ملے یاغی ادھر ادھر کی باتیں کیں پھر اس سے کہا کچھ پڑھو۔

لڑکے نے پڑھنا شروع کیا

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

”اذا جاء نصر اللہ والفتح ورايت الناس یخرجون من دین اللہ افواجا۔“

”شیطان رحیم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں لوگ خدا کے دین سے فوج در فوج نکلے

جا رہے ہیں۔“

حجاج نے کہا، یخرجون نہیں یہ ضلوع کہو۔

لڑکے نے کہا، تیرے عہد حکومت میں لوگ آتے نہیں دین سے نکلے ہیں۔

لڑکے کی اس بے باکی پر حجاج حیران رہ گیا، پوچھا۔

”امیر المؤمنین عبدالملک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

لڑکے نے جواب دیا۔

”اس نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ زمین و آسمان میں سہا نہیں سکتے۔“

حجاج بولا، وہ کون سے گناہ ہیں۔

لڑکے نے کہا، ”اس کا سب سے بڑا گناہ تم ہو کہ انسانوں پر حاکم کئے گئے ہو۔“

حجاج نے کہا، لڑکے تیری سزا قتل ہے لیکن ہم تجھے چار ہزار درہم دیتے ہیں جا اور اپنی ضرورتیں پوری کر۔

لڑکا بولا۔

”خدا تیرا منہ سفید اور ٹخنہ ادنیٰ کرے درہم و دینار کی مجھے حاجت نہیں ہے۔“

حجاج نے مصاحب سے کہا جانتے ہو کیا کہتا ہے۔

”منہ سفید کرے سے اس کی مراد ہے خدا تجھے کوڑھی کرے اور ٹخنہ ادنیٰ کرے

سے مطلب ہے خدا تجھے سولی پر لٹکائے۔“

— زیادہ دن نہ گزرے کہ حجاج موت کے بستر پر لیٹ گیا اس کے معدہ میں

زہریلے کیڑے پڑ گئے، بدن سردی سے ٹھٹھڑنے لگا، انگلیٹیاں جلائی گئیں، کوئی

فائدہ نہ ہوا آخر تک ہائے سردی ہائے سردی پکارتا رہا حتیٰ کہ جان کنی کی ساعتیں

قریب آنے لگیں ایک ایک گناہ سامنے آ گیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا لیکن موت

نے اس کو چن لیا تھا، ناگاہ حسن بصری آنکھ لگے ان سے دعا کے لیے کہا،

فرمایا۔ ”میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیک انسانوں پر ظلم نہ کر۔“

ابو منذر بن محمد آگئے انہوں نے سکرات کی سختیوں کا حال پوچھا تو بولا،

سفر دراز ہے تو شہ قلیل

ابو منذر بولے،



”تو اس امت کے لیے ایک معصیت اور بہت بڑا تہمت تھا، اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ تیری موت نے اس امت کو راحت بخشی اور تجھے مغلوب کر کے اس کی آرزو پوری کر دی۔“

وہ حجاج جس نے بیت اللہ پر پتھر اڑا دی اور جبل البقیع پر کھڑے ہو کر آگ کے گولے پھینکے تھے ایک چکی میں ختم ہو گیا اس کا نام اس لیے نہیں رہ گیا کہ اس میں کوئی خوبی تھی اس کا نام برائی کی یادگار ہے کہ اس نے ہر اس خوبی کو تفل کیا جو رسالت مآب کی یادگاروں میں رہ گئی تھی۔

گذرگاہ خیال میں پھرتا پھرتا اذان فجر سے گھنٹہ پہلے میں بٹول پہنچا اور بستر پر لیٹ گیا نیند آگئی اذان ہوتے ہی جاگ اٹھا۔

نماز بلاشبہ نیند سے بہتر ہے۔

اور فیصلہ کالج لاہور کے ایک استاد عبدالصمد صادم نے اپنے سفرنامہ حج و زیارت میں مکہ والوں کو علی گڑھی سنائی میں لکھا ہے کہ

”مکہ کے لوگ سخت مزاج انتہائی بے ایمان، جھوٹے اور غائبانہ ہیں یہاں کسی آدمی کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے خواہ معلم ہی کیوں نہ ہو آپ یہ نہ بھولیں کہ یہ قوم وہ ہے جو حاجیوں کو لوٹ لیا کرتی ہے۔ یہ لوگ بڑی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں رشوت کھلے بندوں لی جاتی ہے۔“

ممکنہ کے لوگ کیا ہیں؟ صادم کا تجزیہ ان سے درشت الفاظ کہلا گیا ہے۔

بہر کیف عرب کوئی الگ مخلوق نہیں اسی دنیا کے انسان ہیں اور گوشت پرست کے انسان ہیں۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم انہیں فرشتہ سمجھیں اور ان کی سیرتوں میں پر توبہ

تلاش کریں وہ سبھی قسم کے انسانوں کا مجموعہ ہیں ان میں ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ کے مزاجوں بھی ہیں مگر کم اور وہ بھی ہیں جن کے بڑے تافلہ سلام کو ستاتے رہے اور جن کچھ لوگوں نے حصین بن نیر اور حجاج بن یوسف کا ساتھ دیا، یہ نہ بھولنا چاہیے کہ آبادیوں کا مزاج صدیوں کی عصبیت بناتی ہے۔ مکہ کے لوگ درشت ہیں تو یہ ان کا تاریخی مزاج ہے۔ انہیں لوگوں نے اپنے سب سے بڑے فرزند آخری نبی کو گیارہ سال تک ٹٹکنے نہ دیا اور نکال کے دم لیا، ان کے ہاتھوں اگر تکلیف پہنچتی ہے تو جو لوگ مکلف ہیں وہ گویا سنت نبویؐ پر عمل کر رہے ہیں۔ مکہ مختلف ملکوں کے لوگوں کا شہر ہے وہاں اب خالص مکئی ہی نہیں رہتے بلکہ جدی پشتی لوگ خال خال رہ گئے ہیں۔ جو لوگ نسلاً بعد نسل رہتے ہیں وہ امراء و شیوخ ہیں ان کے متعلق اس طرح حکم لگانا صحیحی زیادتی ہے تمام عرب ملکوں کے علاوہ جن میں شامی اور عراقی بھی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو حصین و حجاج کے ساتھ بیت اللہ پر سنگ باری کرتے رہے پاکستان، ہندوستان، ترکستان اور انڈونیشیا کے افراد بھی مختلف قوموں میں آکر آباد ہو گئے ہیں بعض دوسری سے ساتویں پشت گزار چکے ہیں۔ وہ ادضاع و اطوار کے لحاظ سے مکئی بن گئے ہیں لیکن ان کی خصلت اور سرشت میں اب بھی اپنے ملک کی مٹی لگی ہوئی ہے حرم سے باہر اکثر دوکانیں انہی غیر حجازیوں کی ہیں اب یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی زبان سے جس درشتی کا احساس ہوتا ہے وہ زبان کا مزاج ہے یا لہجہ کی فطرت! بہر حال مکہ وائے وہ نہیں جن کی تصویر صادم نے بنائی ہے۔

سہیل نے بتایا کہ اہل مکہ میں شرافت کی عرب خصوصیتیں بہ تمام و کمال موجود ہیں اصل خرابی ان لوگوں کی ہے جو باہر سے آکر آباد ہو گئے اور جن کے حسب و نسب



کی کڑیاں متعین نہیں ہیں۔ الکعلکی (جہاں میں پھڑکتا تھا) مکہ کے رئیس اور قدیمی خاندان کا بٹل ہے اس خاندان کا نام الکعلکی ہے مکہ میں نصف جائیداد ان کی بیان کی جاتی ہے یہ لوگ حسی شرافت اور نبی و صدیقی کا نمونہ ہیں ہوش کے میجر سے جوڑ وصلی ہوئی عمر کا انسان ہے میں نے مکہ کے لوگوں سے متعلق اس عام تاثر کا ذکر کیا تو مسکرایا کہنے لگا کالی بھیڑیں تو ہر جگہ ہوتی ہیں لیکن اہل مکہ کے متعلق یہ پروپیگنڈا عام کیا گیا ہے ایک عرب صحافی نے جو تھوہ پی رہا تھا یہ جان کر کہ میں صحافی ہوں اور پاکستان سے آیا ہوں میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

”ہر انسان جیسے کو تیرا ہے آپ لوگ یہاں صحابہؓ اور ان کے جانشین تلاش کرنے آتے ہیں محمدؐ عربی اور ان کا قافلہ نہیں رہا کہ آپ تذکروں کے انسان تلاش کریں، یہاں کے لوگ ملائکہ میں سے نہیں انسان ہی ہیں اور غنا و رابعہ سے بنے ہیں خدا کا قانون حرمین والوں کے لیے الگ نہیں سب کے لیے یکساں ہے ہماری خرابیاں گوشت پوست کی خرابیاں ہیں ہماری خوبیاں تاریخ و روایت کی خوبیاں ہیں ہمیں جو شرٹ بنشنا گیا ہم اس پر قائم رہتے تو اس حالت میں نہ ہوتے کہ مکہ حجاز میں و شرق کی علامت بن گیا ہے بہر حال ہم اس ملاح کی طرح ضرور ہیں جس کا سبب و دریا کے کنارے بھی خشک رہتا ہے اس کا ذمہ دار دریا نہیں ہم خود ہیں ہم نے اپنے ہاتھ خود ہی شل کر دیئے ہیں۔“

مکہ کے لوگ جو بھی ہیں اپنی روایتوں کے پابند ہیں ان کی طبیعت میں کوئی سختی ہے تو ان کا مزاج نہیں ان کی روایت ہے اور یہ روایت صدیوں سے بن چکی ہے مکہ

کے دیہات بھی ہیں ان کی بدویت میں شہری زندگی نے کوئی فرق نہیں ڈالا ان کا سراپا اسی آب گل میں ڈھلا ہے جو رسول اللہ کے زمانہ سے ان کا خاصا ہونچکا ہے۔ ابوسفیان اور ہندہ کی بیعت کے کلمات سے اندازہ کیجئے کہ ان کا لب لہجہ کیا تھا! جن کا سلوک رسول اللہ سے یہ رہا ہوا ان سے کوئی دوسرا کیا خواہش کر سکتا ہے ان کے منہ میں کوئی دوسری زبان کینو کر رکھی جاسکتی عربی زبان ان تکلفات سے پاک ہے جو ایرانی زبان کا حصہ ہیں اور جن سے اردوئے معلیٰ تیار ہوتی ہے۔ عرب آداب عرض کرتا ہوں ”کونش بجا لاتا ہوں“، ”تسلیمات عرض ہیں“ تم کے الفاظ استعمال نہیں کرتے اور نہ اپنے حکمرانوں کو جہاں پناہ، گیتی پناہ، خسر و دوران کہنے کی انہیں عادت ہے وہ ایک اور ایک دو کی طرح ہم کلام ہوتے ہیں فارسی آنکھیں جھکا کر بات کرتی ہے اردو کر تنک جھک کے اور عربی سرودند ہو کر، غالباً یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ جو فنون لطیفہ سے تیار ہوئے ہیں حرب و ضرب کے ان انسانوں سے کشیدہ خاطر ہو جاتے ہیں کہ وہ درشت ہیں۔ کچھ ہی کہہ لیجئے پذیرائی عربوں کی فطرت ہے ان کا دسترخوان اور زبان دونوں جہان نواز ہیں وہ ایک ہی سانس میں بلاغت کے انبار لگا دیتے ہیں۔ زبان کے معاملہ میں ایک بدو بھی ویسا ہی مہذب ہے جیسا کوئی اور وہ ہر ملاقاتی سے اسلام علیکم کے بعد پوچھتے ہیں۔

کیف حالکم ————— آپ کیسے ہیں!

آپ کہیں گے ————— الحمد للہ

وہ کہیں گے ————— اللہ یحفظکم ————— یا

اللہ یطول عمرکم ————— (خدا عمر دراز کرے)



آپ نے کہا آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی وہ کہے گا،  
 اللہ کریم (اللہ آپ کو اپنے کرم سے نوازے)،  
 آپ پوچھیں گے بچے کیسے ہیں؟ جواب دے گا،  
 یقبل الیکم ————— (آپ کے ہاتھ چومتے ہیں)

کھانے کے بعد آپ شکریہ ادا کریں وہ کہیں گے،

اللہ یرزقکم (اللہ آپ کو رزق سے نوازے)

پانی پینے کے بعد کہیں گے، ہینئا (اس کی مٹھاس آپ کو ملے)

جواب ملے گا، ہینئا لکم اللہ (اللہ آپ کو بھی مٹھاس دے)

ناز کے بعد کہیں گے، تقبل اللہ (اللہ قبول کرے)

جواب دیں گے، منی و منکم (مجھ سے بھی اور آپ سے بھی)

حجام بال کاٹتے تو کہتے ہیں، نیما (ناز و نعمت میں رہو)

جواب، انیکم اللہ (اللہ آپ کو بھی نوازے)

اور جیاکم اللہ (اللہ آپ کو زندگی دے)، تو ان کا تکیہ کلام ہے۔ عموماً یہی کلمہ بطور  
 تشکر ان کی زبان پر ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں کے بعض خوش معنی الفاظ ان کے ہاں بد معنی ہیں مثلاً ان  
 کے ہاں نیک زانی کو کہتے ہیں۔ بعض الفاظ کے معانی ہمارے ہاں کے معانی سے  
 مختلف ہیں مثلاً

عیش کے معنی ہیں روٹی اب عیش کر رہا ہوں، روٹی کھا رہا ہوں کے معنی میں لہجے  
 تو مزہ ہی اور ہوگا بلکہ پاکیزہ ہو جائے گا۔ ڈبل روٹی کو عیش افزہ، خیری روٹی کو خیر،

آٹے کو دق، گاڑی کو عربیہ، گاڑی بان کو عربی، پیسہ کو فلوس، انجیر کو تین، تر بوز کو  
 حب حب، بستر کو فراش، دریا کو بحر، کپڑے کو قماش، بڑے رمال کو احرام، مرغی  
 کو وجاجہ، چھڑ کو ناموس، عورت کو حریم، لفاظ کو ظرف، کاغذ کو ورق، اور پاسپورٹ  
 کو جواز کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بد قماش تقریباً بد معاش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے  
 لیکن قماش کے عربی مفہوم سے ان لوگوں کے معاشرتی مذاق کی تصویر ابھرتی ہے جو  
 لباس سے اپنے کچر کی نمائندگی کرتے ہیں۔

————— کعبۃ اللہ میں چوتھا روز تھا میں نے معمول بنالیا تھا کہ دن رات کا بیشتر حصہ  
 بیت اللہ میں گزاروں، دن میں ایک آدھ دفعہ صفا مردہ میں ہوتا، دیدے پھاڑ  
 پھاڑ کر اس ساری فضا کو تکتا، بار بار عہد عتیق کا تصور باندھتا، باجہ و درہی  
 میں۔ زمزم کے پاس چلا جاتا اور اس ٹھوکر کو تلاش کرتا جو اسماعیلؑ کے پاؤں کی ٹھوکر  
 تھی اور جس سے یہ چشمہ بہہ نکلا تھا۔ زمزم ————— ٹھہر ٹھہر کیا تمکنت اور کیا بدہر ہے  
 میرے ذہن میں آرزو میں چلی ہوئی تھیں۔ ابراہیمؑ قیامت کے دن مجھے اپنے  
 سایہ میں اٹھانا،

باجہ میری بچوں کو روز محشر اپنے ساتھ رکھنا، مجھے یا دبے کہ مصر کے  
 خاندانی اہرام تیسرے تھل پہنیں ہو سکتے تھے۔

یا رسول اللہ ————— میں اس گھر میں پھر رہا ہوں جو تو نے دوبارہ  
 بسایا اور جہاں سے تیسرے ہم وطنوں نے تجھے نکال دیا تھا۔ پھر تو نے  
 فتح مکہ کے بعد اعلان کیا تھا کہ آج سے انسان کا شرف اس کا خاندان  
 نہیں اللہ کے ہاں اس کا علم اور اس کا تقویٰ ہے کسی انسان کو کسی انسان







۸ نومبر کی شام کو انجیر (ظہران) سے ملک عباس حسین مکہ پہنچ گئے ان کے ایک دوست ضیاء الدین شیخ ایڈووکیٹ کراچی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ملک صاحب سے اب تک کوئی ذاتی ملاقات نہ تھی اور نہ کبھی آپس میں کہیں ملے تھے بفضل حق نے تعارف کرایا میں شکر گزار تھا کہ غائبانہ تعلق خاطر کا حق اس فیاضی سے ادا کیا ہے کہ میسر کیے اس کا تصور تھا اس قسم کی دستگیری تو وہ دوست بھی شاذ ہی کرتے جن کے ساتھ تعلق خاطر کی عمریں بیت چکی ہوتی ہیں۔

زرمبادلہ کا حصول سہل نہیں، غلط خرید و فروخت میسر نزدیک قومی شرف کی امانت ہے بعض لوگ یہی کرتے ہیں ٹریولنگ ایجنسی والوں نے مشورہ دیا کہ عمرہ کے نام پر اسٹیٹ بینک سے پی فارم ملنا مشکل ہے کوئی وجہ پیدا کرو، لوگ عموماً اپنے کسی فرضی یا حقیقی عزیز کی تیمارداری کا بہانہ کر کے جاتے ہیں میں نے دو لوگ انکار کیا کہ اللہ کے گھر میں حاضری کے لیے جھوٹ بولنا اور عمرہ کی نیت کو داغدار کرنا میرے



یہ ممکن نہیں حکومت نہ مانے یہ منظور! لیکن اللہ رسول کے ہاں جاتے ہوئے جھوٹ بولوں، ناممکن!

اوپر سے منظوری آگئی لیکن زرمبادلہ رہ گیا اسٹیٹ بینک والے غدر خواہ تھے عبدالکرم شریف پہلے دوست تھے جنہوں نے مجھے دس ریال کا ایک نوٹ دیا کہ ج سے واپسی پر یہ ان کے سامان سے بچ رہا تھا چار ریال میاں منظر بشیر کی والدہ نے عنایت کئے دس ڈالرش مارک (جرمنی سک) اور ایک ریال خواجہ عبدالرحیم ہار ایٹ لار سے مل گئے وہ اپنی دونوں لندن سے واپسی پر عمرہ کر کے آئے تھے جس روز مجھے کراچی جانا تھا اس دن صبح سویرے راولپنڈی سے ایک مخلص دوست نے اطلاع دی کہ اسٹیٹ بینک چلے جاؤ اور وہاں سے زرمبادلہ پچاس پونڈ لے لو۔ خدا خود میرا سامان تھا اس دوست کی مہربانی سے پچاس پونڈ مل گئے کراچی پہنچ کر مولانا احتشام الحق تھا نوی ایک سو ریال دے گئے اس کے علاوہ ایک اور نوادش بھی کی جس کا بوجھ اٹھانا میرے بس میں نہیں وہ امانت جوں کی توں پڑی ہے۔ مولانا کی محبت کا شکریہ۔

جدہ پہنچا تو فضل حق نے کہا اور یہ لکھ چکا ہوں کہ ملک عباس حسین نے الخیر (طهران) سے آپ کے لیے پندرہ سو ریال بھجوائے ہیں ایک اور دوست نے کہا کہ انگلستان سے رازی نے سو پونڈ اور نیویارک سے شاہد رضا نے دس سو ڈالر بھجوائے ہیں۔ یہ سب الغامات ایزوی تھے کہاں وہ کہ ہفتہ پہلے دو ریال نہ تھے اور اسٹیٹ بینک پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہ تھا۔ کہاں یہ کہ میری ضرورتوں سے زیادہ میرے پاس آگیا۔ ابھی سے کہہ دوں کہ لوٹتے وقت رازی کے پونڈ اور رضا کے ڈالر انہیں واپس بھجوا دیئے بلکہ نیشنل بینک سے وصول ہی نہیں کئے۔

ملک عباس حسین کی میزبانی نے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ان سے مل کر معلوم ہوا کہ سیالکوٹ کے رہنے والے اور اپنے ہی قبیلہ فکر سے ہیں۔ حافظ محمد صادق اور شیخ محمد حسین نے انہیں خط لکھا اور وہ میزبان ہو گئے تجربہ ہو گیا کہ وہ ایک سچے مسلمان اور فیاض انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا کرم کیا ہے۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے علاوہ اپنے دوستوں کے لیے قرن اول کے مسلمان کی سخاوتوں کا نمونہ ہیں۔ قدرت نے انہیں اپنی فیاضیوں سے نوازا ہے۔ اور وہ قدرت کے اس احسان کو اپنے دوستوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ سرشت صافی، دل آئینہ، طبیعت خیر، سبب شفاف، ہاتھ کے سخی اور سیر چشم! ان کے دوست ضیا شیخ بھی باغ و بہار نیکے، گفتگو کے دھنی سندھ کی سیاست کے انسائیکلو پیڈیا، دونوں الکلی میں ٹھہرے، گئی رات تک ان سے ملک کے ہر موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ ملک صاحب کی واحد بانی HOBBY تعلیم ہے۔ الخیر میں انہوں نے پاکستان کمیونٹی اسکول قائم کر رکھا ہے یہ کوئی تجارتی سکول نہیں، بلکہ ان کے ذوق و اشتیاق کا مظہر ہے اس کی بنیاد مارچ ۱۹۶۶ء میں رکھی گئی پہلے صحت بچوں کا اسکول تھا۔ نومبر ۱۹۶۹ء میں سعودی حکومت سے اجازت لے کر طلبہ و طالبات کی دو علیحدہ علیحدہ شفٹیں قائم کی گئیں شروع میں آستیاں اور ۳ استاد تھے۔ سب پاکستانی ہیں اور معیاری تنخواہ پاتے ہیں اردو انگریزی اور عربی تینوں زبانیں پڑھائی جاتی ہیں لاہور ایجوکیشن بورڈ سے اس کا الحاق ہے ملک صاحب نے اصرار کیا کہ ان کے ساتھ چند دنوں الخیر چلوں وہاں اسکول دیکھوں، لیکن میرے پاس کل پندرہ دن تھے اور اب صرف (۹) باقی رہ گئے تھے میں زیادہ سے زیادہ حرمین میں رہنا چاہتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ دن تو حرمین کے صدقہ میں



ملے ہیں اور انہی کے ہیں اگلے آٹھ دن حرم نبوی میں گزارنا چاہتا ہوں زندگی ہے تو پھر یہی۔

اگلے روز ہم ایک قافلہ کی شکل میں منی، ہزدلفہ اور عنفات کے لیے روانہ ہو گئے تین گاڑیاں تھیں اور ہم ایک دوسرے کے تعاقب میں اڑے جا رہے تھے جہاں تک شاہراہوں کا تعلق ہے سعودی حکومت نے اتنی کشادہ، پختہ اور بے عیب ٹرکیں بنوائی ہیں کہ جی خوش ہو جاتا ہے اپنے ہاں کا پی ڈبلیو ڈی ان کے ہاں نہیں ہر چیز خالص بنتی ہے، قبر سلطان کا خوف اس قسم کی تعمیرات میں ساتھ رہتا ہے۔

یہ سڑکیں پہاڑوں اور پگڈنڈیوں کے جگر چیر کر اس خوبی سے بنائی گئی ہیں کہ موٹر ان کے حسن پر لٹو ہو کے چلتے ہیں۔ اس ایک خیال ہی سے طبیعت متفخر اور بشاش ہوتی ہے کہ رسول اللہ اور ان کے صحابہؓ انہی راستوں سے انہی شاہراہوں پر اپنی منزلوں کو گئے تھے وہ اونٹ رہے نہ حدی خواں، ناقہ رہی نہ جرس، محل رہی نہ کجاوے، چودہ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

کہے دیتی ہے شوخی فتنش پا کی

اس سڑک سے ذرا ہٹ کے نہر زبیدہ مکہ کو جاتی ہے ڈھکی ہوئی نہر ہے چوڑائی بھی کچھ زیادہ نہیں، کئی صدیوں سے جوں کی توں چل جا رہی ہے۔ کوئی روک یا رخنہ نہیں۔ ایک دفعہ کسی مقام پر کوئی خلل پیدا ہوا تو امریکی اور اطالوی انجینئروں سے رجوع کیا گیا انہوں نے نہر کو انجینئرنگ کا شاہکار قرار دیتے ہوئے عذر کیا کہ اس خرابی پر قابو پانا ان کے بس سے باہر ہے مارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے ستر لاکھ اشرفیوں کے صرفہ

سے اس کو بنوایا تھا۔

زبیدہ دجلہ کے کنارے بیٹھی موجوں کا لطف اٹھا رہی تھی کہ انجینئروں نے حاصر ہو کر اغراجات کا گوشوارہ پیش کیا۔ زبیدہ نے غرق دجلہ کر دیا اور کہا:

ترکنا الحساب لیوم الحساب

(ہم نے حساب یوم الحساب کی خاطر چھوڑا)

مزید کہا جس شخص کے پاس ہمارا کچھ رہ گیا ہو ہم نے اس کو معاف کیا اور جس کسی کا حق ہمارے اوپر ہے وہ آئے اور لے جائے پھر سب کو خلعت اور انعام دے کر رخصت کیا۔

منی مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے لفظی ترجمہ ہے۔ میلہ یا قربانی و آزمائش کی جگہ، یہ پورا علاقہ حرم کے حدود میں ہے اس کی حد دادی محسر سے حجر عقبی تک ہے اس کا طول دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان تقریباً دو تین میل ہے حضورؐ کی بعثت سے ۵۵ دن پہلے یہیں اصحاب نیل کا واقعہ ہوا تھا حضورؐ نے عنفات میں حجتہ الوداع کا خطبہ دیا مزدلفہ میں رات گزاری صبح سویرے وہاں سے روانہ ہو کر یہاں تشریف لائے ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع ہمراہ تھا، آپ ناقہ پر سوار تھے ناقہ کی ہمار بلالؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اسامہ بن زیدؓ بکپڑا تان کے سایہ کئے ہوئے تھے۔

منی میں تینوں حجرے ہیں، حجرہ عقبی، حجرہ وسطیٰ اور حجرہ اولیٰ۔ حج کے دنوں میں یہاں تینوں حجروں کو سات سات کنکر ہاں مارتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے تخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے جا رہے تھے، تو



شیطان نے آپ کو انہی تین جگہ بہکانا چاہا حضرت ابراہیمؑ نے شیطان کو دھتکار دیا اور سات لنگریاں ماریں۔

ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود سنت ابراہیمی کا وہ طرز اور دلولہ ہر مسلمان کے دل میں زندہ ہے۔ ہر سال حج کے موقع پر لاکھوں بندگان خدا سنت ابراہیمی کو ادا کرتے اور اللہ کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ منیٰ میں کوئی مستقل آبادی نہیں، بڑے بڑے مکان کھڑے ہیں، دکانیں ہیں، سرکاری دفاتر ہیں صفر حج کے پانچ دنوں میں یہاں رونق رہتی اور سال بھر کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ ہم عرفات کی طرف جا رہے تھے تو منیٰ کی یہ بلند عمارتیں بند پڑی تھیں، دن دھاڑے ایک سناٹا تھا ایام حج میں منیٰ کا وسیع میدان مختلف قطعات میں بٹا ہوتا اور ان میں چھو لدریاں اس طرح لگی ہوتی ہیں جیسے گلزار کھلا ہو، جہاں تک منظر جاتی انسانوں کا لالہ زار دکھائی پڑتا اور ایک بیکراں دلولہ چاروں طرف انگڑائی لیتا معلوم ہوتا ہے۔ وہ منہر جہاں حجاج قربانی کرتے حضرت اسماعیلؑ کی یادگار ہے۔ باپ نے بیٹے کو یہیں اللہ کی رضا پر قربان کرنا چاہا تھا اور حضورؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر یہاں سوا دن طے ذبح کئے تھے یہاں اور مسجدوں کے علاوہ ایک بڑی مسجد خیف ہے جہاں حضورؐ نے نماز پڑھی تھی اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا،

”مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس لیے برباد ہوئیں“

منیٰ سے آگے مزدلفہ ہے، مزدلفہ عرفات اور منیٰ کے درمیان دو پہاڑیوں میں گھری ہوئی مستطیل شکل کی ایک وادی ہے، مشعر الحرام یہیں ہے قرآن حکیم میں اس کا ذکر آئی ہے یہاں ۹ ذی الحجہ کو مغرب و عشا کی نمازیں ملا کر پڑھتے اور رات بسر کرتے ہیں۔

اس سے آگے مکہ معظمہ سے پچیس میل دور عرفات کا میدان ہے شمال میں جبل رحمت ہے یہاں پہنچ کر ایک ایسا تصور بہت دانبساط اپنی پہنچاؤں کے ساتھ دل و دماغ کو محصور کرتا ہے کہ خیال کا راہوار صدیوں پیچھے لوٹ جاتا ہے عرفات کے چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں جیسے کسی تالین پر حاشیہ ہو اتنا وسیع و عریض میدان اس خصوصیت کے ساتھ کسی ذروی خطہ میں نہیں، عجب بابرکت میدان ہے کسی بڑے سے بڑے شاعر کا تخیل بھی اتنا وسیع نہ ہوگا، جتنی وسعت اس میدان میں ہے اتنی دلکشی اتنی کشش اور اتنا سحر ہے کہ عقل سپر انداز ہو جاتی، عشق ابھرتا اور یقین ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی زمین ہے کتنی صدیوں سے ایک ہی میدان ہے جہاں کروڑوں کیا اربوں انسانوں نے اس سارے عرصہ میں وقوف کیا ہے۔ وقوف حج کا لازمی رکن ہے بلکہ اسی وقوف کا نام حج ہے۔ پورا میدان صحیفہ نعت ہے اسوہ خلیل اللہ کا حکایت سرا عشق کی جولان گاہ، عشاق کی سجدہ گاہ، ایک تاریخی دستاویز، مسودہ توحید، مخطوطہ رسالت، اس کی فضا میں کتنے ہی کلمہ ہائے اقدس منعلق ہیں اس کے سینہ میں کس قدر دل و دھڑکتے ہیں اس کی ہواؤں میں حجۃ الوداع کی خوشبو بچ بس گئی ہے ہر ذرہ گوہرنا صفت اور درشا ہوار ہے۔

محمد عربیؐ کی صدا گونج رہی ہے کل کائنات گوش برآواز ہے، حمزہؑ کی مسجد کے پڑوس میں ایک کمل کاخیمہ ہے اس خیمہ میں حضورؐ فرزندش ہیں پھر وہ پھر اصل گئی تو قصور نام کی نائتہ پر سوار ہو کر نکلے فرما رہے ہیں :

”آج جاہلیت کے تمام دستور میسر۔۔۔ دونوں پاؤں کے نیچے ہیں،

تہا را رب ایک ہے اور لا شریک ہے آج سے عربی کو عجی پر عجی کو عربی



پر سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں، اِلَّا بِالْقَوْلِ !  
 ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، تمہارے غلام، تمہارے غلام جو  
 خود کھاؤ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو ان کو پہناؤ، جاہلیت کے تمام خون باطل  
 کو دینے گئے سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون باطل کرتا ہوں جاہلیت  
 کے تمام سود بھی معاف کر دیئے گئے میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس کا  
 سود معاف کرتا ہوں عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو تمہارا عورتوں  
 پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح  
 حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے میں  
 تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے وہ چیز کیا  
 ہے؟ کتاب اللہ خدا نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا اب کسی  
 وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر  
 پیدا ہوا زنا کار کے لیے پتھر ہے اور اس کا حساب خدا کے ذمہ میں !  
 فرمایا۔

لوگو تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا کیا جواب دو گے، مجمع  
 پکارتا ہے۔

ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔  
 اسی وقت کلام الہی کی آخری آیت اتری۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً"  
 آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا ہے اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے

لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔  
 یہ اعلان جس کجارہ میں بیٹھ کر کیا گیا طغات ابن سعد میں ہے کہ وہ ایک دہیہ  
 سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

خطبہ پڑھ چکے تو بلالؓ کو حکم دیا اذان کہو، ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا  
 کی پھر ناکہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے وہاں دیر تک کھڑے ہو کر قبلہ رو تھا  
 کی، آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری فرمائی صحابہؓ سر در تھے کہ دین مکمل ہو گیا،  
 ان کے نورانی چہرے گلاب تھے لیکن قائد چلنے لگا تو اس میں صدیق اکبرؓ نہ تھے۔  
 عمرؓ نے کہا ابو بکرؓ کہاں، میں انہیں ایک درخت کے پاس تنہا کھڑا پایا دیکھلے صدیق  
 اکبرؓ آبدیدہ میں عمرؓ نے کہا ابو بکرؓ کیا ہوا؟ صدیق اکبرؓ نے کہا جو چیز تمہارے لیے  
 خوشی کی ہے میرے لیے جدائی کی ہے۔ جب دین مکمل ہو گیا تو مقصد بعثت بھی  
 پورا ہو گیا، اب رفاقت الہی مطلوب ہے حضرت عمرؓ اس اشکبار انسان کو جو محمدؐ کی  
 شخصیت میں جذب ہو گیا تھا اپنے ساتھ لائے دونوں رسول اللہؐ کی ناکہ کے ساتھ  
 قدم لائے چلے جا رہے ہیں۔

میری عمر اور ہمت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن جذب و عشق دونوں  
 ہم آہنگ رہے جبل رحمت پر چڑھ کر دو رکعت نماز پڑھی دس پندرہ آدمیوں کی جگہ  
 ہو گی، خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس جگہ کو آنکھوں میں سیٹھتے اور سجدوں سے  
 پیشانیوں اُجالتے ہیں۔ ع

عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام توبہ لب

کیا لوگ تھے جو یہاں رسول اللہؐ کے ساتھ اکٹھے ہوئے تھے جنہیں رسول اللہؐ نے



خطاب کیا اور جو ایک ساتھ کہہ رہے تھے اے خیر البشر! ہم نے تجھ سے خدا کا پیغام پا لیا ہے، بے شک دین مکمل ہو گیا اور تو خدا کی آخری حجّت ہے۔  
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو! حال یہ تھا کہ نماز میں سجدہ سے سر اٹھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، اپنی خطاؤں پر شرمسار تھا مانتھا کو رگڑ رگڑ کے دعائیں مانگ رہا تھا کہ رب محمد مجھے یہاں آنے کی توفیق دی ہے تو میرے گناہوں کو معاف کر، مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

فضل حق نے کہا حضور یہاں کھڑے ہوئے تھے اس پتھر سے چٹ گیا اس طرح چٹا جس طرح شیر خوار بچہ ماہ کے دودھ سے چمکتا ہے، چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا شوق و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ اس پتھر سے اپنے گالوں کو مل رہا تھا اس طرح لپٹ رہا تھا جس طرح شب وصال، حسن و عشق ملتے ہیں کیا خبر حضور نے کہاں قدم رکھا ہو، کہاں نگاہ ڈالی ہو، کہاں ان کی آواز کا حسن ٹھہرا ہو، کہاں ان کے تبسم نے ضیا بخشی ہو، کہاں آرام فرمایا ہو مائے وہ لوگ کہاں چلے گئے وہ میراث کہاں کھو گئی وہ خزانہ کہاں لٹ گیا وہ کارواں کہاں بچھڑ گیا اس کے علاوہ قیامت اور کیا ہوگی کہ —————

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اور انہیں ہرگز نہیں پاتیں

علم یہاں پھرتا ہی نہیں یہ عشق کی نگری ہے عرفات جو بیان راہ کے لیے نہیں دایا بیان راہ کے لیے ہے یہ خبر کی نہیں نظر کی بستی ہے یہ عفت قلب نگاہ کا مامن ہے یہ مسیح کی دار اور کلیم کا سینا ہے یہ نور و سرور کی گذرگاہ اور آرزو و نیش آرزو کی منزل گاہ ہے۔ یہاں زمانے کی رد و محرام ہو کر ملکوتی اور گردش زمانہ اذن لے کر چلتی ہے یہ

کلیم و خلیل کے راز مائے سربستہ کی فاش ہو گئی ہے یہ نیاز و ناز اور سوز و گداز کا پڑاؤ ہے اس کی ہواؤں اور نواؤں میں نبوت کے سانس ہیں یہ ہمیشہ تحقیق نہیں بلکہ عشق ہے یہاں سپہ کی تیغ رانی اور نگاہ کی تیغ بازی کو متاع خسروی عطا ہوتی ہے یہاں علم کو شریعت اور عشق کو معرفت ملتی ہے، یہ نقطہ وصل ہے، حضرت آدم اور حضرت حوا کی ملاقات یہیں ہوئی تھی، جبریل امین نے یہیں حضرت ابراہیم کو مناسک حج سکھائے تھے۔

ہم بہت دیر تک جبل رحمت پر بیٹھے رہے عشق یہاں آداب خود آگاہی سکھاتا اور عقل سر نہیوڑائے اٹے پاؤں چلتی جاتی ہے عقل اس میدان کی چیز نہیں یہ عشق کا میدان ہے یہاں وہی لوگ موتی چُن سکتے ہیں جن کے نیشے صاف ہوں اور کھول غیور وہ لوگ یہاں کچھ نہیں پاسکتے جن کے دلوں پر قدرت نے مہر لگا دی میں جو حسن کو منطق میں تولتے اور عشق کو عقل سے مارتے ہیں۔

شفیق نے رات میں گھلنا شروع کیا تو ہم واپس ہوئے۔ جانے کی چیز تھی کہ جدائی گراں ہوئی آنسو تھمتے ہی نہیں تھے —————

وہ آغاز ہجران وہ رخصت کا عالم

وہ دل کے بچھڑنا بلا ہو گیا

جب تک موٹر عرفات کے میدان سے گزرتی رہی میں قیس آبلہ پاکی طرح تھا کہ وادی لیلی چھوٹ رہی تھی عرفات مزدلفہ اور منیٰ سے لوٹ کر ————— کعبۃ اللہ میں نماز پڑھی۔ اس کی جگہ لگتی ہوئی فضا میں بھی عرفات یاد آتا رہا، عرفات کیا ہے! یہی کہ خدا کے آخری نبیؐ نے وہاں انسان کو اس کے بنیادی حقوق دیئے تھے کوئی سی



حکومت کوئی ساجد کوئی سی ریاست کوئی سایادی اور کوئی سارہنما انسان کو وہ مشور  
ہنیں دے سکا جو حجتہ الوداع کے اس خطبہ میں انسانی حقوق کا حرف آخر ہے، جب  
تک سورج اس آفتی پر چمکتا رہے گا یہ خطبہ انسان کے بنیادی حقوق کی ایسی دستاویز  
رہے گا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی دستاویز نہیں ہے۔

”کسی عربی کو بھی اور بھی کو عربی پر کوئی فرقیت نہیں ہے“

۹ نومبر کی سہ پہر کو مکہ میں مقیم پاکستانی دوستوں نے ایک عطرانہ دیا، یہ  
عطرانہ الکلی ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں تھا اس قسم کے عطرانے ہمارے ہاں شہابی  
ہوتے ہیں عربوں کی فیاضی اور سیرجی کا پورا پورا اہتمام تھا پاکستانی اور ہندوستانی  
دوستوں کے علاوہ کئی ایک عرب اور دو ایک ترک بھی تقریب میں شریک تھے خوشی  
کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاکستانی دوست حجاز میں رہ کر عربوں کی خصوصیتوں اور خوبیوں  
سے بہرہ مند ہو گئے اور ان کے عام چلن میں حجازیوں کی روایتی دل فریبی پیدا ہو  
گئی ہے۔

ملک عباس حسین نے میرے متعلق تعارفی تقریر میں جو کچھ کہا محض ذرہ نوازی  
تھی یہ ان کا حسن اخلاق تھا کہ اس بیچ مدان کے متعلق وہ نہایت خوب صورت الفاظ  
استعمال کر رہے تھے ورنہ من آنم کہ من دانم بہر حال یہ سب سرور کائنات کی غلامی  
کا صلہ تھا۔

میں نے جواب میں جو کچھ کہا وہ قطعاً سیاسی نہیں تھا البتہ بعض سیاسی استفسارات  
کے جواب اس حد تک عرض کئے جس حد تک ملک کی آبرو منقضی تھی رباط کافرئس  
کے متعلق بعض احباب بالخصوص عرب دوست سوال کرتے رہے اور میں ٹالتا رہا۔

یہ سوالات اپنے ہاں کی خبروں سے مختلف اور بالکل نئے تھے، میرا خیال ہے ملکی حکومتیں  
بعض غیر ملکی معاملات میں خبریں ہمیا کرتے وقت ان میں کئی طرز کے پیوند لگا دیتی ہیں  
ہمارے ملک کی سیاست عرب ملکوں سے خاص طور پر ایسی رہی ہے یا ان کا ذیہ ہمارے  
متعلق ایسا ہے کہ عوام کا ملا اور خواص جزا اس سے واقف نہیں اور جو باتیں ان کے  
علم میں ہیں ان کی سچائی بھی داغدار ہے ان باتوں سے آگاہ ہونے کے بعد میں نے  
رباط کانفرنس کو اس کے نام کی رعایت سے ٹال دیا۔ رباط کے معنی ہیں مسافر خانہ میں  
میں نے کہا آپ جانتے ہیں کہ مسافر خانہ میں ہمیشہ مسافر اکٹھے ہوتے ہیں وہ آتے  
ٹھہرتے اور چلے جاتے ہیں آپس میں راز دان یا راز دار نہیں ہوتے اور راز دان میں  
راز بانٹے جاتے ہیں۔ ان کی ملاقاتوں یا صحبتوں میں عموماً  
ظواہر کی رونق ہوتی ہے۔

کچھ دوستوں نے پاکستان کے متعلق انہائی سوالات کے مثلاً  
سوال: پاکستان کی عمومی حالت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر قسم کے حالات پر قابو پانے کی توفیق بخشی ہے۔

سوال: کیا ایوب خان کا جانا ناگزیر ہو گیا تھا؟

جواب: کشتی بھر جاتی ہے تو ڈوب جاتی ہے۔

سوال: پاکستان میں سوشلزم آنے کا امکان ہے؟

جواب: آپ کے ذہنوں میں یہ سوال کیونکر پیدا ہوا؟

سوال: اس لیے کہ عرب ملکوں میں سوشلزم کی گھنٹنی تصویریں دیکھ کر ہم خوفزدہ ہو  
چکے ہیں۔



جواب: بعض عناصر سوشلزم لانے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں بعض گھٹاکی طرح تے کھڑے ہیں لیکن پاکستان میں پاکستان رہا تو سوشلزم نہیں آئے گا۔

پھر ملک صاحب کے خیر مقدم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا :  
 ”یہاں آکر قومی سیاست کے اخلاقی پہلوؤں اور سیاسی کش مکش کا ذکر کرنا  
 مناسب نہیں، آپ یہاں ہمان ہیں ہمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میزبان  
 کے گھر بار کا جائزہ لے اور اس پر تبصرہ کرے آپ یہاں پاکستان کے  
 نمائندے اور اسلام کے شہری ہیں اور دونوں کی عزت کے لیے ! اسلام  
 کے اس سب سے بڑے مرکز میں کہ چار کوٹ کے مسلمان اس طرف رخ کر کے  
 نماز پڑھتے ہیں، حرمین شریفین سے بڑھ کر کوئی جگہ نہیں کہ وہ ارضی کی ہر چیز  
 پر انہیں اولیت حاصل ہے ہم یہاں عربوں کے لیے نہیں بیت اللہ اور  
 حرم نبوی کے لیے آتے ہیں آپ کو یہی کشش یہاں کھینچ کے لائی اور اسی  
 فخر نے یہاں آباد کیا ہے ہر فرد جو پاکستان سے ہے اپنے ملک کا سفیر  
 ہے آپ کا فرض ہے کہ حرمین شریفین کے احترام و عظمت کو اپنی ذات میں  
 جاری و ساری کر لیں یہ گھر سلامت ہے تو ہم سلامت ہیں یہ ابراہیم و  
 محمد کے گھر ہیں ان کے صدر میں اپنے گھر کی سلامتی کے لیے دعائیں  
 کریں اس کی عزت کے لیے ضرورت پڑنے پر جان و مال دیں جو اس گھر  
 کے لیے رہے گا وہ حشر کے دن شہدائے بدر اور شہدائے احد کی سیادت  
 میں اٹھے گا۔“

تقریب ختم ہوئی تو ایک ترک نے جو مقامی میونسپلٹی میں انجینئر ہے اس تپاک سے

بھینچ لیا کہ محبت اس کے زمیں زمیں سے پھوٹی پڑتی تھی وہ سراپا انخوش ہو گیا۔  
 ترکوں کو جہاں تہاں دیکھا مسلمانوں سے متعلق ان کا جذبہ بڑا صادق اور سلام  
 کے لیے ان کا دل بڑا معمور ہے۔ ————— وہ کہہ رہا تھا،

”خدا تمہاری عمر دوازد کرے جب تک ایمان و عشق باقی میں سلام نہیں  
مٹ سکتا افراد مٹ جاتے ہیں تو میں نہیں مٹا کرتی۔“

ایک نوجوان عرب نے تقریر کے بعض کلمات کو سراہتے ہوئے کہا خطابت اب عربوں ہی کا زیور نہیں رہی ہر جگہ کے مسلمانوں کی مقدس میراث ہو گئی ہے آپ نے جو کچھ کہا اس میں عربوں کا خطیبانہ شکوہ جو کبھی ان میں تھا بولتا چلتا محسوس ہوا جزاکم اللہ احسن الجزا ،

عربوں میں وہ پہلی سی قوت نہیں رہی ان کے پرانے چٹے خشک ہو چکے ہیں، دولت کی بہتات نے انہیں ایک ایسی قوم بنا دیا ہے جو ماضی پر فخر کرتی حال کے عیش پر لٹو لیکن مستقبل کے خطرات سے غافل ہے ان کے سب سے بڑے خطرہ کا نام اسرائیل ہے یہ خطرہ انہی کے لیے جان لیوا نہیں خود سلام کے لیے ہلک ہے انہوں نے عربوں میں احساس زیاں تک نہیں وہ بابرِ عیشِ کوش کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں منافقت پیدا ہو گئے ہیں حجاز کو اتنا خطرہ اسرائیل سے نہیں جتنا سوشلسٹ عرب ریاستوں سے ہے، جن سوشلسٹ عرب ریاستوں کی پشت پناہی روس کر رہا ہے وہ اسرائیل سے پہلے حجاز و مراکش، اردن و کویت، تیونس و موریتانیہ

MAURITANIA میں سوشلزم لانا چاہتی ہیں۔ روس کا اسلام اسرائیل کے خلاف کب استعمال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں لیکن ان ریاستوں کے خلاف اس کا اسلام



خداوندوں استعمال ہو رہے ہیں فی الجہد روس کا اسلحہ اسرائیل سے جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان ملکوں میں اشتراکیت لانے کے لیے ہے۔ جمال عبدالناصر کی زندگی میں مجاز دین کے درمیان جو معرکے ہوتے رہے ان میں یمن نے جو اسلحہ استعمال کیا وہ روس کا تھا۔

عربوں کی لیڈر شپ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ اشتراک میں یا ان کے اتحادی اصل مصیبت یہ ہے کہ عربوں کا معنوی وجود یورپ کی مداخلت سے پہلے مضل ہو چکا تھا وہ ترکوں کی خلافت کے زمانہ ہی میں ڈھے گئے تھے لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ کہیں کے نہیں رہے۔

ترکوں جفا پیشہ کے پیچھے سے نکل کر !

بیچارے میں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

اشتراکیت اور بادشاہت دونوں عربوں کے دشمن ہیں بادشاہت انہیں اسلام سے باغی کہہ رہی اور اشتراکیت انہیں الحاد پر لاد رہی ہے امرائے عرب نے ان سے رزق چھین رکھا ہے نئی قیادت ان سے رزق چھین رہی ہے ان کی ہر بہو تصویر کئی رنگوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وہ اس وقت کئی محاصرتوں اور کئی نظریوں کا شکار ہیں ان کے اپنے اندر اس انداز کی بہت سی تحریکیں پیدا ہو چکی ہیں جو انہیں اسلام سے انکار کی طرف لے گئی ہیں۔ ہر قوم نئی نسل پر زندہ رہتی ہے عربوں کی نئی نسل اسلام سے ہاتھ اٹھا چکی ہے اور جو اسلام کے ساتھ ہے وہ سہل انگار ہے جن کی عمریں جوانی کے حدود پہنچا نہ چکی ہیں وہ راضی برضا ہو کے بیٹھے ہیں وہ قیامت کی نشانیوں کا انتظار کر رہے اور اس زمین کے ہیں کہ تقدیر الہی سے لڑنا غلط ہے ان کے حافظہ میں اس قسم

کی پیشگوئیاں موجود ہیں جو انہیں حرکت و عمل سے محروم کر چکی ہیں وہ کہتے ہیں کوئی حدیث ہے کہ یہود ایک نفع مدنیہ تک آجائیں گے، دجال پیدا ہوگا اس کے بعد اسلام کی نشاہ ثانیہ ہوگی ان کا خیال ہے کہ وہ ان پیش گوئیوں کو کیونکر ٹال سکتے ہیں؟ جن نوجوانوں کے دل میں ابھی تک اسلام ہے وہ موروثی مسلمان ہیں لیکن ان کی قوت مزاحمت کمزور پڑ چکی ہیں اس زمانہ کے سب سے بڑے فتنے کا نام صحافت ہے عربوں کی صحافت کا اسلامی عنصر کمزور ہے ادب و تعلیم ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اشتراک عیسائی میں جہد و سیاست کی عنان بھی زہنا انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان اشتراکی عیسائیوں کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے عرب قومیت کا جادو جگا کر عربوں کو اسلام پر نہیں رہنے دیا۔ وہ یا تو عرب نیشنلزم کی بات کرتے ہیں یا مارکس لینن اور ماؤسے تنگ کی ان کے شعروائے کاذب کا مزاج اشتراکیت کی انج پر ہے اور ان کی سیاسی زبان پر سوشلزم کی اصطلاحیں چڑھی ہوئی ہیں۔ زمانہ ہو چکا ہے ان کے ہاں کوئی بڑا مسلمان پیدا نہیں ہوا حکما و زعماء ایک طرف رہے انہیں کوئی ایسا بادشاہ یا حکمران بھی نہیں ملا جس پر ساری کائنات کی ملت اسلامیہ کو خیر ہو، نفس کو دھوکا دینا دوسری بات ہے عصبیت یا عقیدہ بڑی نعمت ہے لیکن اسرائیل نے عالمی طاقتوں کی ملٹی بھگت سے جو صورت حال بنا دی ہے اس کے پیش نظر کوئی خبر بہر کسی وقت آسکتی ہے اشتراک اور استعماری طبعاً اسلام دشمن ہیں لیکن جن لوگوں نے اسلام کی تلواریں اٹھا کر تاج خسروی پہن رکھا ہے وہ اپنی ذات سے ضرور منقص ہیں لیکن اسلام سے ان کا اخلاص محض نظر ہے۔ چند لاکھ یہودیوں نے کئی کروڑ عربوں کو آنکھوں پر نچا رکھا ہے۔ یہ بادشاہ اپنی ذات کو اسلام سمجھتے اور اپنی حکومت کو ریاست، اسلام و ریاست دونوں







گھس پیٹھ کر ان کے عنصر کا یڈر ہے کئی دند لکھ چکا ہے کہ حرمین شریفین

(۱) (نعرہ باندھ) مذہبی خرافات کا مرکز ہیں۔

اب عرب قومیت کے خلاف زبردست حصار ہیں جب تک انہیں ختم نہ کیا جائے گا اسرائیل کا ٹھکانا مشکل ہے۔

(۲) مشرق وسطیٰ میں مغربی استعمار کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہیں۔

(۳) اسرائیل میں کیتھولک عیسائیوں کو اپنا مشن قائم کرنے کی اجازت نہیں لیکن ایران کے بہائی اور پاکستان کے میرزائی تل ابیب میں مشن قائم کیے بیٹھے ہیں ایک مدت سے میرزائیوں کی کوشش ہے کہ وہ افریقہ میں اپنی ریاست قائم کریں ناٹج، ساحل العاج اور

لائبیریا میں ان کے سیاسی اثرات مضبوط ہیں مغربی استعمار اسی لیے انہیں دباؤ پر دیا چڑھا رہا ہے کہ وہ مغربی افریقہ میں اس ملت اسلامیہ کو بڑھنے اور پھیلنے سے روکیں جو محمد عربی کی حلقہ گمبوش برادر عربوں کی ملت کا جزو بن رہی ہو وہ افریقہ کی مسلمان ریاستوں میں ایک ایسی مسلمان ریاست قائم کریں جو استعمار کے تابع ہو ظاہراً مسلمان باطناً استعماری بالفاظ دیگر افریقہ کی مسلمان مملکتوں کے درمیان استعمار کا ہجو تم اسرائیل جس کی ٹی اس اس محمد عربی کے بجائے میرزا غلام احمد پر ہو عربوں کو ہم سے کہیں زیادہ اندازہ ہے کہ میرزائی کس ملک میں کیا کر رہے ہیں اور کن یا کس کی شہ پر کر رہے ہیں! ایک عرب صہبائی نے مجھ سے شکوہ کیا کہ استعماری طاقت کے ان کل پرزوں کو آپ لوگوں نے مسلمان ہونے کی سند دے کر یہاں بھجوا دیا ہے ہم جانتے ہیں کہ ان کے مشن کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں عرب ملکوں میں ان کی سرگرمیاں سامراج کے نفع کا کالم کی ہیں اس وقت ظفر اللہ خاں، عبدالسلام (سائنسٹ) اور ایم ایم احمد جو ردول ادا کر رہے ہیں ہم سے مخفی

نہیں خود پاکستان کو اس کے حرکات و اعمال پر نظر رکھنی چاہیے یہ لوگ کسی دقت بھی اسرائیل قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اسلام کی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہوگا۔ استعماری طاقتوں نے میرزائی امت پیدا کر کے اسلام کے گھر میں ایک ایسی آگ لگا رکھی ہے کہ احساس و مشاہدہ کے اس مرحلہ میں اس کا نوٹس نہ لیا گیا تو ہم اسلام سے غداری کے ایک ایسے فتنہ کا شکار ہو جائیں گے کہ نتائج و آثار کے تصور ہی سے بدن پر کچی طاری ہو جاتی اور دل لہر اٹھتا ہے۔

جو لوگ حقائق کے اس جائزے پر رواداری کا سبق دیتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ اصولوں اور عقیدوں کی قربانی دینے کا نام رواداری نہیں، یہ رواداری بالکل ایسی ہے جیسا کہ چور مکان میں نقب لگا رہا ہو اور صاحب مکان سے کہا جائے کہ آنکھیں میچ لو چور کو پکڑا تو یہ اس کی آزادی میں مداخلت ہوگی یا اس کو لگا رہا تو اس کی دل آزاری کا باعث ہوگا۔

حرم میں نمازوں کا سرور ہی کچھ اور ہے بعض کیفیتیں بیان کی جاسکتی ہیں لیکن کچھ کیفیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ الفاظ و معانی کا سرمایہ دھڑکے کا دھارہ جاتا ہے اور وہ کیفیتیں بیان نہیں ہو سکتی ہیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بیت اللہ کے طواف میں جو مزہ آتا ہے نطق کی تمام ادائیں بھی اس کو خصوصاً نہیں کر سکتی ہیں انسان وہ ہیں ایک وہ جو دیکھتا اور بولتا ہے، ایک وہ جو دیکھتا اور سوچتا ہے لیکن ایک تمیز انسان بھی ہے جو کتبۃ اللہ میں آکر کھو جاتا ہے اس سرور میں فصاحت و بلاغت بے بس ہو جاتی ہیں یہ وہ سرحد ہے جہاں الفاظ و معانی اپنا سفر ختم کر دیتے ہیں اس سے آگے کی زبان ابھی آوازوں میں نہیں ٹھہری ہے لیکن محسوس ہوتا



ہے کہ بیت اللہ ہم کلام ہو رہا اور طواف میں اللہ کے فرشتے ہم رکاب میں ہوں کہ چوبیس گھنٹوں میں تقریباً اٹھارہ یا بیس گھنٹے کعبۃ اللہ میں گزرتے رہے، طبیعت تھی کہ سیر ہو تو فجر کی اذان سے بہت پہلے اٹھ کر بیت اللہ چلا جاتا پھر دن میں کئی کئی مرتبہ حاضر ہوتا رات کا بیشتر حصہ وہیں گزارتا، بار بار طواف کرتا، سنگ اسود کو بوسہ دیتا، مقررہ سے لپٹ کے روتا، احساس کی دولت سمیٹتا، بیسیوں دفعہ آب زمزم پیتا، اپنے تئیں بھگولیتا سبحان اللہ زمزم ہے کہ طلب گاروں کو چوبیس گھنٹے سیراب کر رہا ہے کوئی ساعت خالی نہیں لوگ پلاسٹک کے ڈبے، مٹی کے گھڑے، تانبے کے ڈول بھر بھر کے لیے جاتے ہیں، بیت اللہ میں محرومل صراخیاں پڑی رہتی ہیں لوگ پیٹتے اور جی بھر کے پیٹتے ہیں۔ شاید دنیا کی کسی ترم کے حصہ میں اتنی عبادت نہیں آئی جتنی عبادت کہ مسلمانوں پر فرض کی گئی مسلمانوں کی ہر سانس ایک عبادت ہے ان کی زندگی بسم اللہ سے شروع ہو کر انا للہ پر ختم ہوتی ہے جہد سے لحد تک خدا ہی خدا ہے وہ ہر حال میں اللہ کے سامنے جواہرہ ہیں۔

۱۰ نومبر کی صبح کو ہم مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے موٹر حدود حرم سے نکلے ہی شیشپ ہو گیا سعودی حکومت نے چاروں طرف سڑکوں کا جال بچھا رکھا ہے ہمارے ہاں کا پی ڈیوڈی نہیں کہ سڑکیں دوہرا تہرا نفع اور کیشن رکھ کر بنائی جاتی ہیں یہاں ہر سڑک لوہے کی طرح بھی ہوئی ہے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کے لیے براہ راست سڑک نکالی گئی جس سے جہدہ کا پرانا راستہ کٹ گیا ہے سڑک بے حد کثرت و خوب صورت اور مضبوط ہے ڈرائیور اتنی نو سے میل سے کم گاڑی نہیں چلاتے۔

دونوں طرف وہی پہاڑی سلسلہ ہے کہیں پہاڑی چوٹیاں بہت اونچی ہیں، کہیں پھوٹی، یہ سڑک نیچوں نیچے خیال کی طرح چلی جا رہی ہے مکہ سے کوئی دواڑھاں سو میل کا فاصلہ ہے آخر تک سڑک کیسا انداز میں منزل کی طرف بڑھتی گئی ہے کہیں کہیں اس میں موڑ آتا تو قوس کی طرح مڑتی ہے لیکن موڑ کی رفتار میں کمی نہیں ہوتی ڈرائیور موڑ لیے چلا جاتا ہے۔



ان دنوں آمد و رفت کوئی زیادہ نہیں تھی کچھ موٹر آ رہے کچھ جا رہے تھے دن میں  
بے شمار موٹر آتے اور بے شمار جاتے ہیں۔ ملک عباس حسین، ضیا جی  
شیخ اور فضل حق قریشی گمردہ پیش کے متعلق بتاتے جا رہے تھے کئی چھوٹے چھوٹے  
گاؤں راہ میں آتے ہیں لیکن سڑک سے ہٹ کر! پیدل مسافر تو ملتے ہی نہیں جد سے  
لے کر مکہ تک کوئی اونٹ یا ناقہ نظر نہ آئی اب مدینہ جاتے ہوئے بھی یہی حال تھا  
وہ ساربان تاریخ کی نذر ہو گئے جو ناقہ سے کہتے تھے آہستہ چل یہ گزر گاہ  
محبوب ہے اور ہم منزل محبوب کی طرف جا رہے ہیں۔ راستہ میں ایک جگہ وادی مصفان  
میں اونٹوں کی ایک قطار نظر پڑی کسی اونٹ پر کوئی محمل نہ تھا اور نہ کوئی حدی خوان ہی  
تھا ایک بددہار تھا سے آگے آگے جا رہا تھا لیکن وہ قافلہ آرائی جس کا تذکرہ عرب  
شعرا کے ہاں ملتا ہے اس قافلہ میں نہ تھی یہ کوئی کارواں نہیں بس اونٹوں کا ایک یوٹ  
تھا جو سامان لینے یا سامان لیے چلا جا رہا تھا، رمضان شروع ہو چکا تھا شوارع کے  
چائے خانے جو آبادیوں کے کنٹر پر واقع ہوتے ہیں یکسر بند پڑے تھے، ہو کا عالم  
آدم نہ آدم زاد ہماری طرح نہیں کہ رمضان شریف میں قہوہ خانے ہوٹل اور رستوران گھونٹ  
اڑھ لینے اور مسافرت کی آڑ سے کرکھلا رہتے ہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا موٹر تیز رفتار تھا یا خیال میں اپنے مقصود میں گم سم ہو چکا تھا  
کبھی فضل حق یا عباس ملک کچھ کہنے کے لیے مخاطب کرتے تو محویت ٹوٹ جاتی در نہ  
تصور ہر کاب تھا اور میں بے لے ڈگ بھرتا اس زمانہ میں جا رہا تھا جس زمانہ میں کائنات  
کا آخری نبی اس راستہ سے گذر رہا تھا پھر اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے مکہ جاتے اور  
مکہ آتے ہوئے نور و ظہور سے ان راستوں کو جگمگایا تھا غار ثور سے منکل کر حضورؐ نے

انہی راستوں کو مسافرت و ہجرت کا شرف بخشا تھا ان چٹانوں میں جانے وہ کون سی  
چٹان ہے جہاں حضورؐ نے غھوڑی ویرا ستراحت فرمائی اور ابو بکرؓ نے ایک چرواہے سے بکری  
کا تھن دوہ کر پلایا تھا شام سے واپسی پر حضرت زبیرؓ یہیں کہیں حضورؐ اور ابو بکرؓ سے ملے  
اور پیش قیمت کپڑے نذر کئے تھے، وہ منزلیں جو ابن سعد نے طبقات میں گئی ہیں ان کا  
نام رہ گیا ہے نشان نہیں رہے۔ لازماً اسی راستہ میں ہوں گی ہر قدم انہی کا نقش قدم  
ہے یہ دھرتی اسی لیے تو ہمیں سر کی کئی محسوس ہوتی اور چاروں طرف طش یا قوت کا فرش بچھا  
ہوا نظر آتا ہے۔

جو چیز پریشان کر رہی تھی وہ اپنی کم مائیگی کا شدید احساس تھا سوچتا تھا کہ میرے  
پاس وہ زاد راہ ہی نہیں جو اس گھر میں حاضر ہونے کے لیے ضروری ہے وہ لوگ جو یہاں  
چلے آتے ہیں ان کے پاس کچھ ہوگا میرے پاس کچھ نہ تھا ایک چنگاری تھی جو سلگ کر  
شوق بن گئی تھی جبارت کہہ لیجئے اور میں اس جبارت کے بل پر جا رہا تھا کاش میں اُن  
ذروں میں ہوتا جو حضورؐ کے قدموں کو بوسہ دے رہے اور حضورؐ ان سے گذر رہے  
تھے، وہ راگنذر ہوتا جس کو پائے مبارک چھو رہے تھے، ناقہ ہوتا اس کی مہار ہوتا  
جس ہوتا، وہ پتھر ہوتا جو حضورؐ کو جاتے آتے دیکھتے رہے وہ لمحہ ہوتا جو اس عظیم مسافر  
کو درپیش تھا سورج کی ان کرنوں میں کوئی کرن ہوتا جو اس سفر میں ان کے پاؤں پر  
آنکھیں بچاتی رہی ہیں اور یہ تھا میرے سوچ کا غور۔

ملک عباس نے کہا وہ سامنے ہے واوی بدر اور موٹر دو منٹ بعد ایک بڑے  
چائے خانہ کے سامنے رک گیا اس وقت ہاں کوئی نہیں تھا تالہ کے بغیر سب کچھ بند  
پڑا تھا ایک سناٹا، مٹیائیں تھیں اور گردلی لوٹے، وضو کیا نفل پڑھے شہدائے بدر



کی قبروں پر گئے وہی عالم اور حالت جو جہاز میں قبروں کی ہے، نشان نہ کتبہ، قبریں بھی  
کی مٹی کی ڈھیریاں ہیں۔ سورہ انفال کی ۷۵ آیتیں نضا کا احاطہ کئے ہوئے ہیں کہ یہاں  
وہ سورہ ہے میں جو ان آیتوں کے میں السطور میں ہیں جو کل تین سو تیرہ تھے اور جن میں  
یہاں سورہ نے واسطے چودہ ہیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے جنہیں شہادت نے سر بلند  
کیا اور جن کی مدد کو اللہ نے فرشتے بھیجے تھے یہ وہ جنگ ہے جس کے احوال کا ذخیرہ  
کلام اللہ میں محفوظ ہو گیا ہے یہی وہ جنگ ہے جس میں مسلمانوں کی بے سراسمانی  
پر حضورؐ نے اپنے اللہ سے کہا تھا

اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔

پھر سجد میں گر کر کے عرض الہی سے ہم کلام ہوئے تھے  
”خدا یا! اگر یہ چند لوگ آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیر کوئی نام  
لیوا نہیں رہے گا۔“

اللہ نے کہا

”فوج قریش کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے“ (قر ۳)

وہی ہوا جو اللہ کے رسولؐ نے چاہا اور اللہ نے پورا کیا۔

اس ویلے میں اب بھی حضرت سعد بن عبادہ کی آواز گونج رہی ہے، خدا کی قسم آپ  
فرمادیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔

حضرت مقدادؓ اعلان کر رہے ہیں،

”ہم قوم مویٰ کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم  
آپ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے۔“

تین سو تیرہ نے جن میں صرف دو گھڑ سوار تھے قریش کی ایک ہزار فوج کو جس میں ایک  
سوسوار تھے تین تیرہ کر دیا قریش کے نامور روساء میں ننانوے فی صد لقمہ اجل ہو گئے  
ابو جہل، معوذہ اور معاذؓ دو نوعمر بھائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس  
کا سر کاٹ کے حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ عتبہ جو روسائے مکہ میں پہلے نمبر پر قریش  
کے لشکر کا سالار تھا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ سب کچھ اس جنگ ہی کی  
فتوحات تھیں اور وہ شہداء جنہیں حضورؐ نے خود دفنایا تھا ان کی قبریں آج ”دار ثنائ سنت“  
کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہیں تاریخ کے وہ عظیم الشان آثار جو ہوتے جا رہے ہیں جنہیں  
عتبہ و ابو جہل نہ مٹا سکے انہیں ہم اپنے ہاتھوں محو کر رہے ہیں۔

میں ضعیف الاعتقاد نہیں اور نہ ان لوگوں میں ہوں جو اللہ والوں کی قبریں معابد بنا  
لیتے اور ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں بے شک اللہ کے رسولؐ نے جان بچھنی کی ساتوں  
میں اپنی امت کے لیے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس امت کو اس گڑھی سے بچانا جو پچھلی امتوں کا شیوہ  
رہا ہے کہ انہوں نے اپنے ہادیوں کی قبروں کو معابد بنا لیا تھا لیکن میرے سامنے شہداء  
ہر کے معابد نہیں تھے۔ خود شہدائے بدر تھے کیا سارا اسلام ان قبروں سے بے  
اعتنائی میں رہ گیا ہے!

میں جھنجھلا گیا، یہ قرآن و سنت نہیں یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یاد گاریں  
مثالی جائیں اور اپنی یاد گاریں کھڑی کی جائیں کیا عرب اس امانت اور اس بغاوت کی  
سزا انہیں پار ہے؟ عربوں کو شرف انسانی کن سے حاصل ہوا ان کی بدولت؟  
آج یہی منبے مٹاتے جا رہے ہیں۔ سورہ انفال کے جہبط سے یہ سوک شوق دہشت کی توہین  
ہے کیا قرآن و سنت کے داعی جو احادیث پر زندگی بسر کرتے ہیں بھول گئے ہیں کہ



رسول اللہ نے جبرئیل امین سے کہا تھا کہ اہل بدر سب مسلمانوں میں افضل ہیں اس پر جبرئیل امین نے کہا تھا جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے ان کا بھی ملائکہ میں یہی درجہ ہے۔  
(صحیح بخاری)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا تو فرمایا کہ اب تم جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں۔

وہ سامنے اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس رہے ہیں حضرت حباب بن منذر حضورؐ سے عرض کر رہے ہیں ہم فلاں چہرہ پر قبضہ کر لیں اور اس پاس کے کنوؤں کو ہیکار کر دیں بادل جھوم کے اٹھے ہیں برکھا ہو رہی ہے اور وقت کے بہترین ہاتھ پائی اکٹھا کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی مٹھوسیاں بنا رہے ہیں ابو جہل شرارت پر تکا کھڑا ہے حضورؐ پتھر کے ایک سائبان تلے فردکش ہیں، سعد بن معاذؓ دروازہ پر تیغ بکھ پیرہ دے رہے ہیں جہا جرن کا علم مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں ہے خزدج کے علمبردار حباب بن منذرؓ ایمہ اوس کا پرچم سعد بن معاذؓ نے اٹھا رکھا ہے حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں عقبہ ڈھیر ہو گیا اور حضرت علیؓ نے ولید کو چھٹاڑ ڈالا ہے عقبہ کے بھائی شعیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا علیؓ نے شعیبہ کو ہلاک کر ڈالا اور عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے عبیدہؓ پوچھتے ہیں۔

آقا! میں دولت شہادت سے محروم رہا؟

فرماتے ہیں

نہیں تم نے شہادت پائی۔

وہ اُدھر حضرت زبیرؓ نے برچھی سے ابو کرش کا صفایا کر دیا رسول اللہ نے وہ برچھی لے لی

چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی پھر عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔ آخر اس برچھی میں کی خصوصیت تھی! کیا اس کیلئے قرآن میں حکم آیا تھا! لیکن یادگار تھی منتقل ہوتی گئی، آخر ان بادشاہوں نے جو اُمیہ کے خاندان میں سے تھے۔ اور یادگاروں کی طرح اُسے بھی گم کر دیا بدر کے اسی میدان میں حضورؐ اپنے اللہ کے سامنے سر بسجود ہیں۔

ہیکار رہے ہیں ۱۱۔ اے رب تدبیر و عظیم یہ مٹھی بھر لوگ مٹ گئے تو پھر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا، وہ دیکھئے دو بچے معوذہ و معاذ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے پوچھتے ہیں ابو جہل کہاں ہے! وہ بتاتے ہیں اور یہ دونوں جھپٹ کر اُسے خاک و خون میں تڑپا دیتے ہیں معاذؓ کا ابو جہل کے بیٹے کی تلوار سے بایاں بازو لٹک جاتا ہے۔ معاذؓ پیادوں کے نیچے دھا کر شانہ سے الگ کر دیتے ہیں۔

عباس، عقیل، نوفل، اسود بن عامر عبداللہ بن زبیرؓ سے سب سردارانِ قریش پکڑے جا رہے ہیں اسیرانِ جنگ پر فدیہ عاید کیا جا رہا ہے حضورؐ کے داماد ابو العاصی بھی قیدیوں میں ہیں۔ ان پر بھی چار ہزار درہم کی تعزیر عاید ہے مگر سے حضورؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ نے زرنذیر کے ساتھ وہ مار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا ہے جو ان کی امی خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا حضورؐ نے بار دیکھا تو ۲۵ برس پہلے کی دفاقت یاد آگئی، رو پڑے مہاجر سے فرمایا تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔

سب نے بیک زبان کہا۔

ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ مجاز ہیں۔

اور حضورؐ نے وہ ٹاڑ بیوی کی یادگار، بیٹی کا سنگھار واپس کر دیا اور جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے ان سے اُمی لقب کہہ رہے ہیں، دس دس بچوں کو بکھنا سکھا دو، جامع القرآن



حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔

سلام ہو اے بدرتجہ پر سلام ہو۔

تیسری غزوہ کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔

تجھے بدر بن یحسد نے بسایا یا بدر بن حارث نے۔

تو بیڑا کنواں کی وجہ سے مشہور ہوا یا کسی اور وجہ سے؟

لیکن تیرا اصل شرف تیرا لازوال مقام وحی الہی نے متعین کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے تجھے عزت بخشی ہے۔

۳۱۳ انسانوں نے تجھے دوام بخشا اور تو پائندہ ہو گیا۔

تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان شہادت کی جلوہ گاہ ہے۔

سلام ہو تجھ پر اے بدر، سلام ہو۔

آنسوؤں کا ہدیہ اے انہیں اتنا بخش۔

لو لوئے لالابنا، گو ہر تاجدار کو۔

یہ ان شہداء کے قطرہ ہائے خون کی یادیں ہیں جن کی معاذت کو ملائکہ آئے تھے۔

جو فنا ہو کر بھی زندہ ہیں۔

یہ ان شہداء کی قبریں ہیں،

جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔

ان قبروں میں سونے والو،

سلام ہو تم پر

تمہاری ہی صف میں وہ صحابیؓ ہے جس کے پیٹ پر رسول اکرمؐ نے پھڑکی لگا کر

کہا تھا۔۔۔۔۔ برابر ہو جاؤ،

اور جس نے کہا تھا یا رسول اللہؐ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوئی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا تھا :

بدلہ چاہتے ہو۔

اس نے کہا عدل و انصاف کے داعی سے یہی توقع ہے۔

حضورؐ نے کرتہ اٹھایا اس نے آگے بڑھ کر جسم مبارک چوم لیا۔

حضورؐ نے پوچھا یہ کیا؟

کہنے لگا دنیا میں آخری گھڑیاں ہیں اور آخری سانس

جی چاہا اس شرف سے مشرف ہو جاؤں۔

جوں جوں مدینہ کے آثار قریب ہوتے گئے دھڑکیں تیز ہوتی گئیں یہاں تک

کہ اندر دگرگوں ہو گیا عقل نے کہا اس سے آگے جانا میرے لیے مشکل ہے یہ سدرۃ المنتہی

بے عشق نے کہا۔۔۔۔۔ یہاں سے دل کی بادشاہت شروع ہوتی ہے

جانتے ہو ابھی تھوڑی سی دیر میں کہاں پہنچو گے، جہاں سے آ رہے ہو وہ اللہ کا گھر

تھا دہائے بندے کا ناز اپنے خالق سے ہے، یہ اللہ کے محبوب کا گھر ہے یہاں

دجداں کی ناقہ پر سرنان کا محمل سجالو آہستہ چلنا یہ ادب والوں کا قبلہ ہے اور صرف

با ادب حاضر ہو سکتے ہیں۔ امام مالکؒ کی سن لو فرماتے ہیں "میں اس شخص کو سود دے

لگاؤں گا جس نے کبھی مدینہ کے موسم کی شکایت کی یا کسی چیز میں مین منج منکالی جہاں



وچہ نمود کائنات کی آرام گاہ ہو وہاں کے موسم میں خلل و خرابی ممکن ہی نہیں۔

اپنی بے سرو سامانی پر غور کرو اس قابل تھے کہ یہاں چلے آئے ہوئے وصلہ؟  
یہ جبارت! کہاں سے آئے ہو؟ آئے ہو یا بلائے گئے ہو؟ ختم المرسلین کے دربار میں  
جابر ہے، درباروں میں بے مایہ لوگ نہیں جایا کرتے! مجرم و خاطی شہنشاہوں سے منہ  
چھپاتے ہیں تم نے بڑا حوصلہ کیا گنہگار ہو کر چلے آئے ہو پکڑے جاؤ گے۔

شفیع الذین کی چوکھٹ پر جابر ہے ہو جاؤ لیکن ذرا رک جاؤ وہ ٹکڑا جہاں حضور  
آرام فرما رہے ہیں بالاتفاق تمام کائنات سے افضل و برتر ہے ساری کائنات مل کر بھی  
اس ٹکڑے کے برابر نہیں، تم کیا ہو؟ تمام کائنات کے رویا ہوں میں سر نہرست! کہاں  
اس گھر کی عالم پناہی اور کہاں ذرہ حقیر کی رو سیاہی؟ کہاں رسالت مآب کا آستانہ  
تدس، کہاں نگہ خلاق کی جبین حقیر؟ کہاں عرش پر جانے والا احسن و اکمل کہاں فرشتہ پر  
پر رہنے والوں میں ازل و اسفل ہے

نسبت خود بگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بگت کوئے تو شد بے ادبی

حضور کے سامنے حاضر ہونا سہل نہیں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ رضوان اللہ تعالیٰ  
علیہم اجمعین ہی تھے جو ان کے دربار و حاضر ہوتے اور گفتار نبوت کے موتی چنتے تھے  
صحابہ کا دل دیگر کہاں ہے کہ حاضر ہو رہے وہاں جاسے ہو جس کے چپہ چپہ پر محمد و احمد کے حسن  
خرام کے پھول کھلے ہیں جہاں وقت کے بہترین انسان چلتے پھرتے تھے دل نے کہا  
کچھ پتے ہے یہ سوچ کر کہ نہ لگی کہ سوائے محبت مجھ پر کچھ بھی نہیں عشق نے کہا، چل  
رک نہیں، کیوں رکنا ہے رحمتہ اللعالمین کے آستانے پر جانے والے اسی طرح

جاتے اور جھجولیاں بھر کے لاتے ہیں چشموں، دریاؤں اور کنوؤں نے کبھی کسی جام، کاسہ  
یا شیشیز کی خواہش نہیں کی، سورج نے کبھی چراغوں سے روشنی نہیں چاہی، تیری رات  
اندھیری ہے تو اس سورج سے روشنی لے جو آمنہ کی گود میں طلوع ہوا تھا چودہ سو برس  
سے چمک رہا ہے جس کے لیے کوئی غروب نہیں یہی مدینۃ النبیؐ ہے یہی آستانہ رسولؐ  
ہے، سلام پڑھ، درود بھیج، یہ شہر درود و سلام کا شہر ہے۔

اں خنک شہرے کہ آسنا دلبر است

سیارہ دوسرے رقص کی طرح پہلو بدلتی ہوئی طرک پر کمر وٹیں لیتا ہوا مدینۃ النبیؐ میں  
داخل ہو گیا۔

جلوہ گاہ ناز کے پردوں کا اٹھنا یاد ہے  
پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو ہوش ہے



# مَدِينَةُ النَّبِيِّ

خُدایے نفس حبیبِ نیک دے تو کہوں



## \_\_\_\_\_ الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ

گنبد خضریٰ رو برد تھا \_\_\_\_\_ گستاخ اکھیں کھتے جاڑیاں، جہاں کبھی  
 ایوب انصاریؑ کا مکان تھا اور رسول اللہؐ کا ناتہ میزبانی کا شرف بخشے کے لیے بیٹھ گیا  
 تھا وہاں جنت البقیع کو جاتی ہوئی سڑک پر سیارہ رک گیا، باب عمرؓ باب عبدالحمید  
 \_\_\_\_\_ اور باب عثمان کی سڑک پر قصر الجباز ہوٹل ہے وہاں ہم دو کمرے لے کر ٹھہر گئے  
 کوئٹہ منٹ میں نہا دھو کر کپڑے بدلے بالکوئی سے جہاز کا توڑنگا میں گنبد خضریٰ سے  
 ہم آغوش ہو گئیں اس وقت کمبوتروں کی ٹکڑی نے بالہ باندھ رکھا تھا آرام گاہ نبوت  
 میں کونشن بجالا رہے اور مجرئی عرض کر رہے تھے \_\_\_\_\_  
 مجھ پر سکنہ طاری ہو گیا کیا واقعی مدینۃ النبیؐ میں ہوں؟ یا خواب دیکھ رہا ہوں،  
 مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہو گیا۔

سلام ہو اسے مدینۃ النبیؐ



تو کائنات کے فخر ناز کی پونجی ہے

تیری بنیادیں صبح قیامت تک قائم و دائم ہیں  
تو نے وہ شرف حاصل کیا جو کرۂ ارضی کے کسی خطے کو حاصل نہیں

اور نہ جنت تک کوئی خطہ اس سعادت سے مشرف ہوگا

تیسرا غوش میں ایک ایسا انسان سوراہا ہے جو اپنے مولد سے جہت  
کر کے یہاں آیا تو نے اس کو پناہ دی اس کی میزبانی کی

پھر وہ تیرا ہی ہو گیا

تیری مٹی کو اس نے اپنے وجود سے زندہ جاوید کر دیا

تیرا نام اسی کا ہو گیا یہاں تک بالا کیا اور دوام بخشا کہ صدیوں

سے انسانوں کے قافلے صبح دشام تیری طرف کھینچے چلے آتے ہیں

تیری فضاؤں میں قرن باقرن سے درود و سلام کے موتی بکھر

رہے ہیں

تیرے ہاں حاضر ہونا دنیا کی عظیم سعادتوں میں سے ایک سعادت ہے

سب سے بڑی سعادت

آج قریب چوہ سو برس ہوتے ہیں تیری کوئی

سعادت کوئی ثانیہ کبھی درود و سلام سے خالی نہیں رہا

تیری گلیاں ہم ایسوں کے لیے معری کی ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں

تیسرے درے ہر ماہ کو شرماتے اور دل و نگاہ کو چمکاتے ہیں

تیری ہواؤں میں انفاس رسالت کی خوشبو میں بسی ہوئی ہیں۔

تو کتنا حلیم و کریم ہے کہ ہم ایسوں کو بھی حاضری کی سعادت بخشا ہے تیری عزت  
بے پایاں اور تیری عظمت بے کراں ہے تو وہ دریائے کرم ہے کہ ہر ذی روح تیسرے  
یہاں آکر اپنی پیاس بجھاتا ہے تو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

اے کرۂ ارضی کے سرتاج! اے سرتاج الانبیاء کی آرام گاہ ایک انسان کی بدلت

کر وڑوں انسانوں کو زندگی بخشے والے اے کلام اللہ کے ۸۶۴۳۰ کلمات اور تین

لاکھ ۲۳ ہزار سات سو ساٹھ حروف میں سے مدنی آیتوں کی جائے نزول اے

اس آخری نبی کے مدفن مبارک جس کی ذات اقدس پر ۲۲ سال ۵ ماہ کے عرصہ میں

۶۶۶۶ آیتیں نازل ہوئیں ۱۰ اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر اے عظیم انسانوں کے

ماں اے زبان دیان کی روح رواں اے سپہ سالاروں کے دل کی دھڑکن اے انشاء

پر وازوں کے علو فکر اے شاعروں کے تخیل کی معراج اے خطیبوں کے دلولہ خطابت

کی آبرو اے عالموں کے انکار کی آرزو اے دانشوروں کے علم و حکمت کی جستجو اے اہل

اللہ کے آستانہ آخر اے عابدوں کی جبین کے ناز اے زاہدوں کی محبت کے محور

اے جو دشمن کے خرن اے جمال دولت کے مسکن اے گنہگاروں کی بخشش گاہ اے

بلدہ رسالت پناہ اے مرکز دل و نگاہ اے انس و ملک کی بوسہ گاہ اے خطا کاروں کے

خطا پوشش اے ہر عہد کے فضلاء کی منزل اے عاشقان صادق کے محل

ایک پیچ مدان اور بے سرو سامان کا سلام قبول کر۔

اے مدینۃ النبی تو مرکز انوار الہی ہے تو نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا

اور جاوہاں ہو گیا اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے فرشتے اللہ کے عرش سے تیسرے فرش پر  
سلام و درود کے تحفے لاتے ہیں تو نے سلام کو رقی بخش اور تاریخ کو عزت دی ہے



تو نے ادب کو درخشاں کیا تو نے حکم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیسے اور تو ہمارا ہے تیری مصیبتوں میں صحابہؓ کا سوز و درد اور انصار و مہاجرین کا جوش جنوں ہے تو شب زندہ داروں کی بلا واسطہ حکایت کا گوہر ممکنوں ہے۔ تو عرش سے نازک تر ہے تیسے آعوش میں نصف اسلام سو رہا ہے تیری مٹی پاتاں تک مقدس ہے تو سب بڑی تاریخ ہے تیسے شمال میں احد ہے جس نے بہ قول ابو الحسن علی ندوی لغت کو شجاعت کے لیے بے شمار الفاظ دیئے ہیں ————— وہ پہلا روبرو قیامت کے روز جنت میں اٹھایا جائے گا تیسے مشرق میں جنت البقیع ہے جہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو اب الابد تک زندہ ہیں جن کے لیے موت نہیں۔ جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لیے بھاگ گئی۔ جن کے چہروں کی غیرت نے عرش و فرش سے سلام لیے ہیں جو صرف زندہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتداء ہے اور وہ سر کے زندگی کی ابتداء کر گئے وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے ۔

سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ ————— سلام ہو ،

اے شہروں کے شہنشاہ

اے افسانوں کی اُمید گاہ

اسے زیرِ فلک عالمِ بیاہ —

سلام ہو۔

وہ گھبراہٹ جو اپنی روسیاسیوں کے باعث مسجد نبویؐ میں داخلے کے تصور سے پیدا ہوگئی تھی ایک ایسی ختم ہوگئی۔ بیت اللہ میں جلال ہی جلال تھا، مسجد نبویؐ میں جمال ہی جمال معلوم ہوا جیسے کوئی آغوش کھل گیا ہو، فردوسِ مرت کا ایک عجیب احساس طاری ہو گیا بابِ عمرؓ بابِ حمیدؓ اور بابِ عثمانؓ سے باہر کا فرش جو ہر سہ دروازوں کے سامنے بچھا ہوا ہے وہاں تمام دن کبوتروں کی ٹکڑیاں اڑتی اور بیٹھتی ہیں یہاں بدوؤں کے بچے گھبروں کے لفافے لیے صدایتے ہیں عقیدت مند لفافے خرید کر دانے کھیر دیتے ہیں کبوتر اڑ اڑ کے دانے چھتے اور رہ رہ کے چکر کاٹتے ہیں ہمارے ہاں انسانی ہاتھ کے خدشہ سے کبوتر اڑتے ہوئے ہچکچاتے ہیں لیکن یہاں انہیں کوئی خدشہ نہیں وہ آپ کے آس پاس اڑتے پھرتے اور چھتے ہیں ان کی طرف بڑھیں تو وہ پرواز کا دائرہ بنتے اور پھریری لیتے ہیں ہم داخل ہوئے تو غارِ عصر کی صفیں کھڑی ہو رہی تھیں اور یہ پہلی نماز تھی جو حرمِ نبویؐ میں ادا ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ جو درجہ نماز کا یہاں ہے وہ مسجد الحرام کے سوا اور کہیں







دھلے گی، یہ داغ نہیں مٹیں گے پاگل! ان سے مایوس ہوتا ہے جو مایوسیاں دور کرنے آئے ہیں۔ لائق نظر کا مشرہ کون لایا! وہی تو لائے تھے اب نفس کا مشرہ دکھا رہا ہے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ندامت کا غلبہ ہے، ہمت جواب دے گئی ہے۔ نفس کی فریب کاری تاکہ؟ چشمہ پر تشنگی مٹانے پہنچا ہے اور اب لب خشک کئے کھڑا ہے بڑھ آگے اور کھڑا ہو جاؤں کے سامنے جو ہر جہان کے رحمت ہیں ان کا خزانہ کھلا ہے جھولی بھر، دونوں ہاتھوں سے بھر، صبح و شام بھر یہاں سے ہر شخص کو خدمت فاخرہ ملتی ہے کوئی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں یہ <sup>مختار علیہ السلام</sup> کا دربار ہے سورج کا لے گورے پر کیاں چمکتا ہے ہوا گنہگاروں کے لیے رک نہیں جاتی وہ سب کے شام جان ہے، خوشبو پھیلنے کے لیے ہے چشے کسی کے لیے اپنے سوتے نہیں موڑتے وہ سب کے لیے رواں دواں ہیں۔ لوگ آتے اور تشنگیاں مٹا کے چلے جاتے ہیں آپ رواں نے کسی تشنہ لب سے کبھی اس کی ذات پات نہیں پوچھی، ہمیشہ طرف بھر دیئے ہیں۔

آخر دیاں پہنچ گی جہاں پہنچنے کے لیے آیا تھا ————— روضہ مبارک کے روبرو،

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوة والسلام علیک یا حبیب اللہ

الصلوة والسلام علیک یا نبی اللہ

تین بیضوی چھروں میں پہلا چھرو کا سرور کوئٹہ کا ہے دوسرا ابوبکر کا، تیسرا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا۔

جانے کتنی دیر گم سم کھڑا رہا ہے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی انسانوں کا تانا بندا ہوا ہے اور سب اشکبار ہیں اس حد تک تخیر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں، لوگ آ رہے اور جا رہے ہیں پہرے دار کھڑے ہیں راستہ بن رہا، خلقت نکل رہی اور دعائیں لٹ رہی ہیں، شمع روشن ہے، پتنگے جمع ہیں گھٹتے ہی نہیں بڑھتے چلے جاتے اور لو میں گھلے جا رہے ہیں دعائیں دہرا دہرا کر ختم ہو گئیں سلام و درود نذر ہوتے رہے وہ مزاجو مواجہہ پر تھا ہر آن بڑھتا گیا ادب کی آخری حد عشق کا منتہی، حسن کی جولان گاہ، ملائکہ عرش الہی سے آ رہے اور سلام کے موقی نذر کر رہے ہیں۔ معامیر کاؤں میں بچکیاں اُترنے لگیں جسٹس بشیر الدین خان (چیف جسٹس صوبہ سرحد) رو رہے تھے موصوف ————— مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج تھے۔ مجھے ختم نبوت کی پاداش میں نظر بند کیا گیا تو میرے مرافعہ میں جسٹس شوکت علی کے ساتھ ڈیشن پنچ کے سینٹر ج تھے میں اس سے پہلے انہیں کبھی ذاتی طور پر نہیں ملا تھا لیکن انہوں نے کراچی میں سماعت کرتے ہوئے ایڈووکیٹ جنرل سے کہا تھا۔

”ہم ایسے کسی فیصلے کے پابند نہیں! اور وہ کون سا فیصلہ ہے جو مرزائیوں کو مسلمان قرار دیتا ہے، ختم نبوت مسلمانوں کے ایمان کا جزو ہے ان کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے مفتری ہے اور جو اس کی نبوت کو مانتا ہے وہ سلام سے خارج ہے۔“

جسٹس بشیر الدین کی بچکیوں نے مجھے چونکا دیا۔ خود اس وقت میری آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ پلٹ کے آگے بڑھ رہے اور میں پلٹ کر مڑ رہا تھا ایک ایک ہم ایک دوسرے کے روبرو ہو گئے دیکھتے ہی بول اٹھے۔



”سب کچھ یہیں ہے اور کہیں کچھ نہیں، برعشق تہیں یہاں لایا۔ وہی  
عشق مجھے یہاں لایا ہے۔“

وہ باب جبریل سے حضرت فاطمہؓ کے حجرہ کی طرف ہو گئے، میں ایک طرف ہو کے نفل  
پڑھنے لگا، سجدہ یہ تھا کہ: ۛ

باقی ہے در اور جین ہو چکی

اس وقت مسجد نبویؐ کی شکل یہ ہے کہ دس ایکڑ کے رقبہ میں ایک مستطیل عمارت  
ہے باب عمرؓ، باب پھیری یا باب عثمانؓ سے داخل ہوں تو پہلا حصہ چھتا ہوا ہے فرش  
سنگ مرمر کا ہے اور اس پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ دوسرا حصہ صحن کی شکل میں کھلا ہے بیچ  
میں سنگ مرمر کی روش ہے دو طرف کھلا صحن ہے جہاں کنکریاں بولی ہوئی ہیں اور یہ غالباً  
سنت نبویؐ کے اتباع میں ہے حضورؐ نے مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی تو اس وقت کچی اینٹوں کی  
دیواریں، برگ خرما کا چھپر اور کھجور کے ستون تھے فرش خام تھا بارش میں کچھڑ ہو جاتی ایک  
دفعہ صحابہؓ نماز کے لیے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست پر بچھالیں !  
حضورؐ نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔ تیسرا حصہ بھی چھتا ہوا ہے، یہاں بھی  
قالین بچھائے گئے ہیں۔ چوتھا حصہ بھی دوسرے حصہ کی طرح ہے۔ پانچواں حصہ نبویؐ کا ابتدائی  
حصہ ہے۔ پہلے اسی حصہ کا نام مسجد نبویؐ تھا باب النساء اور باب جبریل کے درمیان حجرہ فاطمہؓ  
کے بالمقابل مقصورہ شریف کی پشت پر کہ اسے اسطوانہ تہجد بھی کہتے ہیں اصحاب صفہ



کا چوترا ہے اس چوترا کی سیدھ پر روضہ اقدس کی عمارت ہے اس سارے حصہ میں اہل بیت المؤمنین کے گھر، حمام، گھرے، بنی اکرم کے منبر و محراب، دند سے طاقات کی بیٹھک، اعجاز کا گوشہ، اسطوانات رحمت

ریاض الجنۃ، غرض رحمتوں، فضیلتوں، برکتوں اور عظمتوں کی پوری دنیا گھسی ہوئی ہے ابو بکرؓ کا مکان جو حجرہ رسالت کے دربرداشتا اس میں منم ہو گیا اور مسجد کی چڑائی باب السلام تک چلی گئی ہے مولا شریف قبلہ کی جانب ہے اس سے آگے بائیں طرف اسطوانہ جبرئیل ہے اس کے ایک طرف بیت حضرت عثمانؓ اور دوسری طرف بیت ابو یوسف انصاریؓ تھا۔ اب یہ مسجدیں یا مسجد کے گرد پیش میں شامل ہو چکے ہیں دونوں طرف شرقاً و غرباً باب عثمانؓ سے باب جبرئیل تک چھتے ہوئے برآمدے ہیں۔ پہلی طرف عورتیں اور دوسری طرف مرد و فرانس سنن اور وظائف و اُرداد پڑھتے ہیں۔ کئی ٹکڑیاں تفسیر حدیث کا دورہ کرتی ہیں۔

روضہ اقدس چاروں طرف سے پتیل کے گرد پوش میں ہے یہ گرد پوش جالی کے طرز پر ہے اور اندر کی ہر چیز کھلی نظر آتی ہے مولا شریف کے اندر سنگ مرمر کے فرش پر تین کالی سلیں ہیں جو فرش کو میز کرتی ہیں اور یہی ہر سہ قبروں کے نشان ہیں۔ حضورؐ کے شانہ سے ابو بکرؓ اور ابو بکرؓ کے شانہ سے عمر فاروقؓ کی قبریں ملی ہوئی ہیں اصل قبروں پر سنگ آہن کی دیوار کھچی ہوئی ہے کوئی ستر اسی سال تک مدفن مبارک اصل حالت میں رہے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ گورنر مدینہ نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے ایک سنگی عمارت کھینچ دی جس سے تینوں مزار حجاب میں آگئے۔ کچھ روز بعد گرداگرد سنگی ستونوں اور محرابوں کا ایک اور احاطہ بنادیا گیا اسی احاطہ پر گنبد خضریٰ ہے اس پنج گوشہ عمارت پر کھڑے طیبہ سے منقش غلاف چڑھا ہوا ہے پاکستان یا ہندوستان میں مزار اقدس کی جو تصویریں پائی

جاتی ہیں وہ سب فرضی ہیں کسی کو غلاف کے اندر کی عمارت کا حال معلوم نہیں نور الدین زنگی نے شیش کی آٹھ فٹ گہری اور دس فٹ اونچی دیواریں چنوا دی تھیں جس سے ایک حصار کھڑا ہو گیا اب اندر کا نقشہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں بس وہی سیاہ پتھر کی تین سلیں روضہ اقدس اور مدفن ابو بکرؓ و عمرؓ کی مانندگی یا نشانہ کی کرتی ہیں کہ یہاں سے اس پردہ کے پیچھے جوہر میں شہنشاہ کونین اور ان کے دو وزیر آرام فرما رہے ہیں مولا شریف کا دروازہ بعض سربراہان مملکت کے لیے کھلتا ہے تو اندر ہی ہے جو تانبے کی جالیوں سے کھلا نظر آتا ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض سربراہ تائب نظارہ نہ لاکر غش کھاتے اور گر پڑتے ہیں۔ شاہ حسین دالی شرق اردن اپنی دونوں حاضر ہوئے تھے فضل حق نے بتایا کہ دروازہ کھلتے ہی ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو گئے۔

غلاف کی حالت بے حد پتلی ہے صاف نظر آتا ہے کہ بوسیدہ ہو چکا ہے۔ سعودی حکومت غلاف بدلنے کو بہت سمجھتی لیکن غلاف اتارنے سے ڈرتی ہے، ابھی پچھلے دنوں عبدالکریم شرج سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ سعودی حکومت نے ایک رات عقیدہ سے چوری چھپے پرانا غلاف اُتار ڈالا اور نیا غلاف چڑھا دیا ہے اس سے پہلے اُسے راضی کرنا مشکل تھا اور کسی بھی مسلمان حکومت کی خواہش پر آل سعود کی شرعی حکومت تیار نہ ہوتی تھی گویا جو شریعت کے آئیہ ساری پابندی اسی کے لیے ہے اور جن کے لیے شریعت آئی وہ اس سے آزاد ہیں ان کے نزدیک حکم رسالت گنبد خضریٰ کے لیے ہے ان قبروں کے لیے نہیں جو محلوں کی شکل میں تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

مسجد نبوی اور گنبد خضریٰ معاً ایک ہی چیز ہیں پنج گوشہ روضہ اقدس ریاض الجنۃ میں اس طرح ہے جس طرح بدن میں روح، روضہ اقدس کی منڈیر پر حجت کا سبز گنبد



ہے اسی کا نام گنبد خضریٰ ہے خضریٰ کے معنی ہی سبز کے ہیں۔ سلطان محمود نے ۱۲۵۵ ہجری میں گنبد خضرات کے طرز پر سبز رنگ کرادیا تب سے اس کا نام گنبد خضریٰ یعنی سبز گنبد ہو گیا ہے۔

وقتاً فوقتاً کئی حکمران مسجد نبویؐ کے رنگ و روغن اور تعمیر و بہاد میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ مثلاً سلطان عبدالحمید نے پہلی دیواریں ڈھا کر نئی دیواریں بنوائیں اور ریاض الجنۃ کے ستونوں پر سونے اور چاندی کے محلول سے آیات لکھوائیں اسمائے باری تعالیٰ اور منتخب احادیث کندہ کرائیں۔ بعض مقامات پر تسمیہ لکھا گیا قصبہ بردہ رقم کرایا لیکن موجودہ حکومت نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ اور قرآن پاک کی آیات کے سوا ہر چیز مٹا دی ہے بعض ستونوں پر سیاہی پھری ہوئی اور بعض کے حروف کھود کر ان میں پلستر بھر دیا ہے۔ مرمت کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ عہد بعد کے حکم و اضافہ کا علم ہوتا ہے ورنہ حکومت نے کسی جگہ کوئی نشان یا علامت نہیں چھوڑی کوئی تحریر نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ حصہ کس زمانہ میں اور کب بنا تھا یا اس کا معمار و مجوز کون تھا ایسی ہر چیز بدعت ہو گئی ہیں حتیٰ کہ بدعتہ اقدس پر خلاف چڑھنا بھی بدعت ہے لیکن مسجد کے فرش پر قالین بچھانا بدعت نہیں، ادب یا آرائش ہے گو شرعی سختیوں کے باوجود حکومت نے۔ بیت اللہ اور مسجد نبویؐ میں عظیم الشان اضافے کیے ہیں دروازے اور ستون دونوں بڑھا دیئے ہیں لیکن جہاں تک فن تعمیر میں رد و نق پیدا کرنے کا تعلق ہے دولت کی بہتات کے باوجود آل سعود اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکی اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربوں کا اپنا کوئی فن تعمیر نہیں وہ عمارتوں کے حسن سے نابلد ہیں ان کی عمارتوں میں ابھی تک بدویت پائی جاتی ہے ایک عظیم وسیع عمارت

کھڑی کر لینا چنداں مشکل نہیں لیکن شکوہ کے ساتھ حسن اور سہیت کے ساتھ جمال ہو تو حسن و جمال بے نظیر ہو جاتے ہیں۔ عربوں کی جگہ وہ منغل ہوتے جو بہتر عظیم میں تاج محل شالیمار لال قلعہ وغیرہ چھوڑ گئے ہیں تو مسجد نبویؐ اور بیت اللہ کی اضافی تعمیریں عقل انسان کا شہ پارہ ہوں مگر عربوں کی صحرائی زندگی نے جہاں تک تعمیرات کا تعلق ہے ان کے جمالیاتی ذوق اور ذہنی وجدان کو شل کر دیا ہے۔

جس زمانہ میں حرمین شریفین ترکوں کی خدمت گزاری میں تھے باوجودیکہ عثمانیوں کا طرز تعمیر تنوع سے خالی ہے اور ان کی صلابت عمارتوں میں نہیں ہے لیکن عربوں کے مقابلہ میں دین و مذہب کی یادگاروں سے ان کی بھرپور عقیدت خاصی پر شکوہ ہے۔ عربوں نے پہلی جنگ عظیم میں برطانوی استعمار کے اشارہ اور پر ترکوں سے جس نفرت کا اظہار کیا وہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ان کی تمام یادگاریں مٹا دی گئیں وہ ریلوے لائن جو مدینہ طیبہ کو شام کے راستے ترکی سے ملائی تھی اکھاڑ ڈالی۔ ایک تباہ حال گاڑی اب تک مدینہ کے اجاڑ اسٹیشن پر کھڑی ہے اس اسٹیشن سے قریب ہی ترکوں کی بنائی ہوئی مسجد ایک ایسے انسان کی طرح پڑی ہے جو تانلہ سے بچھڑنے کے بعد صحرا میں رہ جاتا اور گھنی چھاؤں ڈھونڈھتا ہے اور اسے کوئی دوسری آواز سہارا نہیں دیتی اس مسجد پر یہ الزام ہے کہ اس کی سمت قبلہ ٹیڑھی ہے لہذا یہاں نماز ہے نہ اذان، بیت اللہ کی توسیع میں بھی ترکوں کی عمارت چاروں طرف سے لپیٹی جا رہی ہے اب سنا ہے ایک حصہ جوں کا توں چھوڑ دیا ہے یہاں مسجد نبویؐ کے ستونوں سے بھی ترکوں کی خطاطی محو کر دی گئی ہے لیکن بیت اللہ ہو یا مسجد نبویؐ ان کا حسن اور ان کی عظمت سنگ و خشت کی تزئین سے نہیں



کہ سنگ درخت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ان کی خوبی اور ان کا شرف خدا کا گھر اور محمد کی آرام گاہ ہونے کے باعث ہے۔  
کعبۃ اللہ کی ہمسری کی کائنات نہیں کر سکتی ہر آن اللہ کے فرشتے حاضری بھرتے اور روئے  
زمین کے ہر خطے سے انسان چلے آتے ہیں حرم نبوی محدث عصر قاضی عیاض مالک کے  
الفاظ میں "روئے زمین کے سارے مقامات سے بڑھ کر ہے" اور یہ قول فقہاء و  
حکماء :

"جس جگہ حضور کا جسد مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے وہ بالاتفاق بڑے  
زمین کا افضل ترین مقام ہے یہاں تک کہ کعبہ و عرش سے بھی بڑھ کر!  
اس بارے میں کوئی سہی دوسری رائے نہیں ہے۔"

اس آستانہ کو عمارتی کردار اور فنی جاہ و جلال کی ضرورت نہیں جس رسولؐ نے ساری  
زندگی گاڑھے کا تہمد اور گاڑھے کا کرتہ پہنا ہوا ان میں پیوند لگے ہوں ان کے روضہ  
اقدم کو یہی ہونا چاہیے عمارت فاخرہ فقر غیور کی منشا کے خلاف ہے عمارتیں تو  
ان کے غلاموں اور دربانوں کے لیے ہیں تمام دنیا میں پھر جائیے وہ لوگ جنہیں اس  
ذات عالم پناہ نے اپنی رفاقت و ولایت اور عشق و معرفت کا شرف بخشا ان کی  
قربیں معماری کی معراج پر ہیں لیکن مسجد نبویؐ روضہ اقدس اور گنبد خضریٰ ہر عہد کے  
فرماں رواؤں کی نیاز مندی کے باوجود فقر غیور میں ڈھلی ہوئی ہے۔ مسجد میں ایک  
عام اندازے کے مطابق ۲۲۷ ستون اور کئی دروازے ہیں سب گنڈے نہیں جا  
سکتے لیکن باب عمر کی دائیں سیدھ پر باب الرحمت اور باب السلام ہیں باب عثمانؓ  
کی بائیں سیدھ پر باب النساء اور باب جبرئیل ہیں باب عمرؓ اور باب عثمانؓ کے

درمیان باب عبد الجبار ہے اب سعودی حکومت نے باب عمرؓ کے علاوہ باب عبد العزیز اور  
باب سعود کا اضافہ کیا ہے مسجد کی انتظامیہ کا دفتر باب صدیقؓ کے اوپر ہے روضہ اقدس  
کے پانچ دروازے ہیں ایک دروازہ تو مواجیم شریف کا ہے مغرب میں باب دفود اور  
باب قوبہ ہیں حضورؐ انہی دروازوں سے مسجد نبویؐ میں تشریف لاتے تھے باب تہجد شمال  
میں اصحاب صفہ کے چوتھے کی جانب ہے باب ناظرہ مشرق کی طرف ہے۔

حضورؐ کے حجرہ اقدس سے منبر مبارک تک کے درمیانی حصہ کو ریاض الجنۃ  
کہتے ہیں۔ مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ مسجد نبویؐ کا اصل حصہ جس کی  
بنیاد حضورؐ نے رکھی سب سے زیادہ افضل ہے یہیں وہ آٹھ ستون ہیں جنہیں اسطوانات رحمت  
کہا جاتا ہے یہ ڈھائی تین سو آدمیوں سے زیادہ کی جگہ نہیں لیکن یہاں نماز پڑھنے کی خاص  
فضیلتیں ہیں کسی ستون کے پاس جگہ مل جائے تو سبحان اللہ نوراً علی نور۔

بعض روایتوں کے مطابق ہر صبح ستر ہزار فرشتے اس روضہ جنت میں اترتے اور شام  
تک درود پڑھتے ہیں وہ جاتے تو ان کی جگہ نئے ستر ہزار فرشتے آتے اور صبح تک درود  
پڑھتے ہیں یہ جگہ منبر رسولؐ اور حجرہ عائشہؓ کا درمیانی حصہ ہے منبر ٹھیک اسی جگہ ہے جہاں عہد  
نبوتؐ میں تھا اس حصہ میں محراب النبیؐ اور مصلیٰ نبیؐ ہیں منبر پچھلی کاری کے کام سے سنگ مرمر  
کا بنا ہوا ہے۔ اور ریاض الجنۃ کے مغربی جانب ہے عین محرابیں ہیں۔ جنوبی دیوار  
میں محراب عثمانی ہے شمال میں محراب تہجد ہے تعمیر محراب نبویؐ ہے جہاں حضورؐ لامت  
فرماتے تھے اصل مصلیٰ ایک دیوار سے چھپا دیا گیا ہے صفت اتنا حصہ کھلا ہے جہاں  
حضورؐ کے قدم مبارک ہوتے تھے۔ اس شخص کی سر بلندی میں کے کلام ہوگا جس کا سر  
نماز میں ٹھیک اسی جگہ حضورؐ کے قدموں پر ہوتا ہے۔







کے منہ سے نکل گیا وہ نورانی بھی ہے اور لافانی بھی ——— ط  
ہر آنکھ شک آورد کاف گر دو

حضرت ناطقہ کا حجرہ، مرقہ رسالت کا محنت جگر ہے یہ حجرہ مزار اقدس کے شمالی  
جانب باب جبرئیل کے مقابل ہے ہارون الرشید کی ماں خیزران نے پہلے پہل روضہ اطہر  
پر غلاف چڑھایا تھا سلطان عبدالعزیز ابن سعود کے زمانہ میں رک گیا اور گزشتہ سال تک  
ترکوں ہی کا غلاف پڑا رہا جیسا کہ پہلے عرض کیا اب شاہ فیصل نے حکومت کی شرعی سنگینی  
سے اس کچھ بچ کر غلاف بدل ڈالا ہے سال میں تین دفعہ ربیع الاول، رجب اور ذی قعدہ میں،  
روضہ اقدس کو غسل دیا جاتا تھا۔ حضورؐ نے ۹ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو وصال فرمایا۔ حضرت  
ابوبکرؓ نے ۲۲ جمادی الاول ۱۳ ہجری اور حضرت عمر فاروقؓ نے ۲۲ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو انتقال  
کیا۔ اصحاب صفہ کے چوترا پر حبشی نژاد، فرہ جیم، قد آور خواجہ سراؤں کی ایک جماعت  
بیٹھی رہتی ہے یہ حکومت سے باقاعدہ مشاہرہ پاتے ہیں۔ ان کے سپرد مسجد و مزار کی نگہداشت  
ہے مواہب شریف کے پاس حکومت کے سپاہی کھڑے رہتے جو لوگوں کو بوسہ دینے یا  
ماتھا کر گزرنے سے روکتے ہیں مسجد نبویؐ نماز عشاء کے بعد بند ہو جاتی پھر نماز فجر سے  
پہلے کھلتی ہے لیکن باب جبرئیل کا صحنی دروازہ خصوصی اجازت والوں کے لیے کھلا رہتا  
ہے معدودے چند لوگ رات بھر حاضر رہتے اور فیضیاب ہوتے ہیں جن لوگوں کے  
سپرد مسجد اور روضہ اقدس کی صفائی کا کام ہے ان میں پاکستانی بھی ہیں معقول مشاہرہ پر  
خدمت انجام دیتے اور دنا ثواب کاتے ہیں مسجد کے دو مینار قدیم ہیں اور دو حال  
ہی میں شمالی جانب تعمیر کیے گئے ہیں جنوب مشرقی مینار وہ تو نہیں جس پر حضرت بلالؓ  
اذان دیا کرتے تھے لیکن جگہ ٹھیک وہی ہے موزن پہلی منزل پر اذان دیتے اور لاؤڈ سپیکر

پورے شہر میں پھیلا دیتے ہیں جنوب مشرقی مینار کے ساتھ ایک حجرہ ہے جہاں حضرت  
جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے تھے اس جگہ کو ہیٹھ دجی کہا جاتا ہے تمام مسجد اہل درجہ کے بڑے  
بڑے تالیمینوں سے الٹی پڑی ہے عہد نبوت اور ابتدائی توسیع کے حصہ میں سنگ مرمر کا فرش  
ہے اس پر تالیمین بچھے ہوئے ہیں۔ نئی عمارت اور اس کی توسیع سنگ زرد کی ہے ریاض الجنۃ  
میں نانوس اور جھاڑ لگے ہیں۔ باقی حصہ میں دو دھیا روشنی کے ٹیوب ہیں روضہ اقدس کے  
ارد گرد قدیمیں ہیں۔ اتنی روشنی ہے کہ بقیع نور ہو جاتا ہے۔ یہی سال پتھروں کا ہے ساری  
مسجد میں حقیقت مندوں نے پتھروں لگا رکھے ہیں۔

ریاض الجنۃ کے شمالی دالان سے ملا ہوا بستان ناطقہ تھا جہاں کھجور کے چند  
شاداب درخت اور ان کی چھاڑوں میں ایک کنواں تھا اس کا پانی شریعی ولطافت میں  
مشہور تھا لیکن سعودی حکومت نے دونوں کو صاف کر دیا ہے۔

مدینہ کا پانی ہلکا، سبک، خوش مزہ اور باضم ہے قدرت نے اس میں ٹھنڈک  
اور شرمیلی رکھی ہے اب یہاں دو چیریں ہیں جو رسول اللہؐ کے مہد کی تاثیر رکھتی ہیں کھجور  
اور پانی اور دونوں قدرتی جراثیم کا مرکب ہیں۔

میں نے باب توبہ کی طٹ ایک تنخید میں نشست جمالی اور روضہ اقدس کی طوط  
کلشکی باندھ کے ردو پڑھتا اور سلام بھیجتا رہا عجیب عالم محویت تھا قرن اول کو لوٹ گیا  
— مدینہ میں ایک غنڈہ مچا ہوا ہے تمام شہر نکل پڑا ہے لوگ پو پھٹنے سے پہلے سر  
سے باہر کھڑے دوپہر تک انتظار کرتے ہیں لیکن جس کا انتظار ہے وہ نہیں آ  
رہا خبر عام ہے کہ وہ آ رہے ہیں مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں مسافر ابھی تک نہیں پہنچا پھر  
ایک دن وہ آ گیا کہ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار ہتھیاروں سے سج سج کر











حضرت زبیرؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت زینب بنت جحش کے مکان شمالی جانب تھے  
حضرت عائشہؓ حضرت صفیہؓ اور حضرت سودہؓ کے حجرے مشرق کی طرف مسجد نبویؐ سے اس  
تدر متصل تھے کہ ازواجِ مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں ولید بن  
عبدالملک نے ۸۰ ہجری میں ان حجروں کو مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا۔ تب عمر بن عبدالعزیز  
مدینہ کے گورنر تھے اور ولید بن عبدالملک خلیفہ، اس نے حکم دیا کہ یہ حجرے اور دوسرے  
مکانات جو مسجد کی توسیع میں آتے ہیں خرید لو جو لوگ انکاری ہوں ان کے مکانات حکماً  
گرا کر ان کی قیمت فقیروں کو خیرات کر دو ازواجِ مطہرات کے حجرے خالی تھے اور ان پر  
نصف صدی سے زیادہ مدت ہو چکی تھی۔ بعض لوگوں نے احتجاج کیا کہ ازواجِ مطہرات  
کی نشانیاں مٹائی جا رہی ہیں۔ وہ مشاوی گئیں حجرے محفوظ کیے جاتے تو منبر و محراب  
کے اجارہ دار سنت نبویؐ کے ان نمونوں کو دیکھتے کہ عالم پناہ کی بیبیاں کہاں رہتی تھیں؟  
جس سنت نبویؐ کے ذکر سے تم نے بنگلے بنالیے ہیں۔ گھر بنانے میں اس کی سنت  
کیا تھی اور وہ عورتیں جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کی مائیں ہیں کس حال میں رہتی تھیں۔

مسجد نبویؐ میں وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی گئی حضرت عمرؓ نے ۱۷ ہجری میں شمال جنوب  
اور مغرب کی طرف زمین خرید کے توسیع کی حضرت عثمان غنیؓ نے ۲۹ ہجری میں چاروں  
طرف کمرے بنوائے پتھر کے ستون لگائے اور پختہ چھت ڈالی۔ ۸۰ ہجری میں ولید بن عبدالملک  
نے اضافہ کیا، ۱۶۱ ہجری میں ہمدی نے شمالی جانب کچھ توسیع کی، آل عثمان میں سلطان  
محمود نے ۱۲۵۵ ہجری میں گنبد حضرتی دھات کا بنوایا۔ ۱۲۷۵ ہجری میں سلطان عبدالحمید  
نے مسجد کی دیواریں نئے سرے سے بنوائیں اس دوران میں اور اس کے بعد جزوی تعمیریں  
ہوتی گئیں، اب سعودی فرمان رواؤں نے یہ فرض اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

کوئی شخص یہاں مادی نذرانے کے نہیں آتا، نذر نہ نیاز، پھول نہ چراغ، گجرے نہ  
مالا، بتائے نہ اگر بتی، چادریں نہ چڑھاوے، فواکھات نہ مشروبات، دل و نگاہ کے سوا  
کوئی نذرانہ نہیں ادبِ عمر سب سے بڑے نذرانے ہیں۔ طاقتوں پر چاروں طرف قرآن  
پڑھے ہیں، لوگ نوافل و فرائض سے فارغ ہو کر قرآن پڑھتے اور جس پر قرآن نازل ہوا  
اس کے حجرے کو تکتے اور درود بھیجتے ہیں ہر شخص اس گمان میں ہوتا ہے کہ ابھی، بس ابھی  
امی لقیٰ ماشی مطلبی سراپردہ حرم سے باہر آئیں گے ہم ان کے جمال ہماں آرا کو دیکھیں  
گے الوار سے دامن بھر لیں گے بڑھ کہ پاؤں پر نثار ہو جائیں گے۔  
وہاں سن رہا ہے، آواز آرہا ہے۔

”خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لوں ہتھیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔“

اگلے روز نماز فجر پڑھ کر روضہ اطہر پر سلام عرض کیا وہاں سے عباس ملک کے  
ہمراہ جنت البقیع گیا حرم نبویؐ کے مشرق کی جانب دو فلاںک کے فاصلہ پر ہے۔  
باب عثمان سے سیدھی سڑک پر ایک چوک ہے اس کے دائیں طرف تقوڑے سے ناصر پر  
جنت البقیع ہے دوسرا راستہ باب جبرئیل اور باب النساء کے سلسلے کی ایک مریدہ  
کبدارگی سے نکلتا ہے یہ گلی قدیم الایام سے ہے گمان ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے آتے جاتے ہوں گے۔ جنت البقیع کوئی آٹھ ایکڑ رقبہ میں ہوگا چاروں طرف چار  
سائڑھے چارنٹ کی فصیل ہے ایک ہی دروازہ ہے اس دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا  
رہتا ہے کئی لوگ باہر زائروں کے انتظار میں رہتے اور کوئی معاذ منہ طے کئے بغیر انعام  
کی توقع پر ساتھ ہو جاتے ہیں وہ ڈھیر یوں کی مشاندہی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا  
ہے کون سی قبر کس وجود مبارک کی ہے؟ یہاں کوئی پھول والا نہیں کوئی مشکیزہ نہیں،



شمع و گل ناپید ہیں، جنت المعلیٰ کا حال بھی یہی تھا بلکہ وہاں بے اعتنائی کچھ زیادہ ہے لیکن جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دو تہائی افراد کا مدفن شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور ان گنت شہدائے اسلام صلحائے امت اور اکابر دین کے سفر آخرت کی منزل ہے ایک ایسی امانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی نثرن کھول اٹھتا ہے دامن پڑواں چاک کرنے کا حوصلہ نہیں کلاہ سلطانی تک رسائی نہیں اپنا گریبان چاک کرنے سے فائدہ نہیں۔ عمر فاروقؓ نے ٹھیک کہا تھا۔

”عرب دے سرکش ادب ہیں جن کی مہار میسے ماتھ میں دی گئی ہے، لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کے چھوڑوں گا۔“

جنت البقیع میں کوئی عرب نہیں آتا اصل عرب قبروں میں سو رہے ہیں اور وہی صحیح عرب تھے جن کے لیے قرآن اُترا تھا اب وہاں ہم سے بھی جاتے ہیں اور ایک ایسے منظر سے واسطہ پڑتا ہے کہ دل بیٹھ جاتا ہے ان عربوں کا طرہ کیا ہے یہی کہ ان کے خطہ میں کعبۃ اللہ اور مدینہ النبویٰ واقع ہیں ان کے دامن میں جبل نور، جبل رحمت، جبل صفا اور جبل احد ہیں ان کے راستے رسول اللہ کے قدموں ستیر ہیں ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خطاب کیا آخری نبی ان میں سے مبعوث فرمایا نوے فی صد تاریخ اسلام ان کی آغوش میں استراحت کر رہی ہے لیکن ان یادگاروں کے محفوظ کرنے سے انہیں شرع روکتی ہے مگر ان کے اپنے وجود لفظی و معنوی سے بامداری ہے انہیں ذرہ برابر احساس نہیں کہ اس مٹی میں کون سو رہے ہیں، رسول مقبول کے تحت پاسے ہیں ان کی نور نظر اور اس نور نظر کے چشم و چراغ ہیں، چچا ہیں، چچا کے بیٹے ہیں، امت کی مائیں ہیں، جنت کی شہزادیاں ہیں، امام ہیں، ذوالنورین ہیں، شہدار ہیں، اولیاء ہیں، فقہاء ہیں، علماء ہیں، حکماء ہیں،

علیہ سیدیہ ہیں لیکن عرب ہیں کہ قبریں ڈھائے اور محل بنائے جا رہے ہیں۔ مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا دل یوں ہو گیا جس طرح کنوئیں میں خالی ڈول تھر تھراتا ہے۔

داخل ہوتے ہی دائیں ماتھ کے ایک کونے میں حضورؐ کی پھوپھیاں، عاتکہؓ، صفیہؓ اور فاطمہؓ کے مزار ہیں آگے بڑھیں تو دائیں طرف نو اہمات المؤمنین محراب میں — عائشہؓ، سودہؓ، زینبؓ، حفصہؓ، ام المکین، ام سلمہؓ، جویریہؓ، ام حبیبہؓ اور صفیہؓ ان کے ساتھ کی روش پر حضرت عقیلؓ، حضرت جعفر طیارؓ، امام مالکؓ اور امام نافعؓ آسودہ خاک ہیں۔ ان کے ایک طرف شہداء کے مزارات کا ٹکڑا ہے، سامنے حضورؐ کے فرزند ابیہیم کی لحد ہے، ادھر ادھر عبدالرحمن بن عوفؓ، زینب بنت عثمانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، فاطمہ بنت اسدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، مالک الانصاریؓ اسماعیل بن جعفر صادقؓ کے مدفنوں کی ڈھیریاں ہیں۔ آخری ٹکڑ پر حضرت عثمانؓ کا مزار ہے اس مزار سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ علیہ سیدیہ کی قبر ہے یہی ایک قبر ہے جو اس قبرستان میں درخت کے سائے تلے ہے باقی پورے قبرستان میں کوئی درخت، پودا یا کھیری نہیں۔

اہمات المؤمنین کے مزارات سے دس بارہ گز آگے ایک غیر کشیدہ مثلث ٹکڑی میں جو زیادہ سے زیادہ ۵×۳ گز کی ہوگی چھ ڈھیریاں ہیں ان پر کوئی نشان نہیں قبروں کی شکل ہے سنگریزوں کا حاشیہ، سینہ پر کنکریاں، دائیں طرف بنت رسولؐ پڑی ہیں سامنے رسولؐ کے چچا حضرت عباسؓ ہیں، حضرت عباسؓ کے جد مبارک کی داہنی طرف امام حسنؓ، امام زین العابدینؓ، امام باقرؓ اور امام جعفر صادقؓ لیٹے ہیں — یہ ساری جگہ مسجد نبویؐ میں واقع حضرت فاطمہؓ کے حجرے سے بھی چھوٹی ہے۔ اس کمرے میں چچا مکرانؓ، بچے ماں



کی گود میں ہیں اور جو کہ بلا میں رہ گئے تھے ان کی جدائی کا حزن ماں کی قبر سے محسوس ہو رہا ہے  
شعبہ نجف اشرف میں اور باپ — وہ سامنے کہ بیچ میں چند مکان حامل ہیں دنیا والوں نے مرنے  
کے بعد بھی دیواریں کھینچ دی ہیں گنبد خضریٰ کو اس رخ سے دیکھئے سو گوار معلوم ہو رہا اور اس  
دیواری کو ٹکڑ ٹکڑ دیکھ رہا ہے — اس کے ہوٹوں پر جنبش سی ہے

گوشش نزدیک بیم ار کہ آواز سے ہست

”فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس سے اس کو دکھ پہنچے گا مجھے بھی اذیت ہوگی۔“

(ارشاد نبوی)

ماں کہتی ہے زمین العابدین میرے رخت جگر کے مہ پارے! باپ کہاں رہ گیا؟

زمین العابدین کہتے ہیں وادی اماں پھوپھی زینب سے پوچھیں، وہ لٹی پٹی بے کبادہ اونٹ  
پر آ رہی ہیں، ابا کا سر نیزہ پر لٹک رہا ہے اور ۷۷ سر شالیت کر رہے ہیں مدینہ میں کہرام  
بپا ہے بنو ہاشم کی عورتیں بنت عقیل بن ابی طالبؓ کے جلو میں پلاتی ہوئی گھروں سے نکل  
آئی ہیں کہ محمدؐ کا گھر اتنا شام سے لٹ کر آ رہا ہے وہ فوج کر رہی ہیں۔

کیا کہو گے جب نبیؐ تم سے سوال کریں گے۔

”کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو تم نے میری اولاد اور میرے خاندان

سے میرے بعد کیا سلوک کیا؟ ان میں بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہلائے

ہوئے ہیں۔“

بنت رسولؐ کی لحد کے سامنے میں کوئی گھنٹہ بھر ساکت و صامت کھڑا رہا جیسے  
کوئی چیز گڑ گئی ہو اور اس میں زندگی کے آثار مطلقاً نہ رہے ہوں ملک عباس دیر تک دعائیں  
مانگتے رہے لیکن میں تھا کہ بے دست و پا کھڑا تھا جب محویت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہوش

رہے نہ حواس جیسے کوئی آہ نارسا منجد ہو چکی ہے یا آنسوؤں کی طغیانی رک گئی ہے تو عباس  
ملک نے مجھے گم سم پا کر کہا۔

آغا صاحب! فاتحہ پڑھیے!

میں پوری طرح ہل چکا تھا عباس نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا آغا صاحب! اور  
میں نقش کا لچر کی طرح تھا انہوں نے بھنجھوٹا — فاتحہ پڑھیے۔ میں نے کہا ملک  
صاحب فاتحہ کس لیے؟ کیا انہیں ہمارے ہاتھوں کی احتیاج ہے ہم کیا اور ہماری دعائے  
مغفرت کیا؟ ہم تو خود ان کے محتاج ہیں ہماری مغفرتیں ان کی بدولت ہوں گی —  
ملک صاحب حیران رہ گئے — میں نے قبر سے ٹکلی باندھ رکھی تھی میں کہہ  
رہا تھا۔

فاطمہ (سلام اللہ علیہا) تو اب بھی کربلا ہی میں ہے تیسے باپ کا کلمہ پڑھنے والوں  
نے تجھے اب تک ستایا ہے تیری کہانی زخموں کی کہانی ہے تو نے کعبۃ اللہ میں باپ کے  
زخم دھوئے تھے کربلا میں تیری اولاد نے زخم کھائے کوفہ میں تیرا شوہر امت کے زخم  
کھا کے داصل بخت ہو گیا تیرے ابا کی امت نے تیری اولاد کو ہمیشہ ستایا ہے آج چودہ  
صدیاں ہونے کو آئی ہیں تیری اولاد قبروں میں بھی ستائی جا رہی ہے پورا عرب تیری اولاد  
کی قتل گاہ ہے تیرے آباؤ نے کہا تھا،

فاطمہ! میری رحلت کے بعد جو مجھے سب سے پہلے ملے گا وہ تو ہوگی تو

ان کے پاس چلی گئی محمدؐ کا گھرانا اب بھی کربلا میں پڑا ہے جو لشکر و سپاہ  
اور تاج و کلاہ کی تلواروں سے بچ رہے تھے ان کی قبریں قتل کر دی گئی ہیں اپنی  
قبر کے قتل پر مجھے رونے دے تو اس قبر میں ہے اور میں تیرے سامنے زندہ



ہوں مجھے اپنی زندگی ایک نعل عبث محسوس ہو رہی ہے تیرے مرتد کے  
ذرتے تمام کائنات کے مرادید سے افضل ہیں ان میں ہر دماہ سے بڑھ  
کردن نشانی ہیں لیکن زمانہ نے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اس کا شیشہ دل جیت  
غیرت سے خالی ہو گیا ہے!

میں لوٹ کے آیا کہہ بند کیا اور لیٹ گیا میں — میں نہیں رہا آنکھیں  
بھگتی ہیں آنسو میں کہ پلکوں پر اٹکے ہوئے ہیں۔ نلہ، عصر، مغرب اور عشاء کی چاروں نمازیں  
مسجد نبوی میں پڑھیں، روضۂ اقدس پر حاضری دی، سارا دن ٹول رہا رات بھر بستر پر  
کروٹیں لیتا رہا، نیند اڑ چکی تھی اور میں بھی سوچ رہا تھا کہ عربوں کے پاس زبان کی نخوت  
کے سوا کچھ نہیں رہا ماضی کا گھنڈہ کیا ہے لیکن وہ شرف تعلقاً نہیں رہا جو ان کے ماضی کی  
سب سے بڑی میراث ہے۔

رات تابہ کرا پنچھی تو آنکھ لگتے ہی ایک عجب دنیا میں کھو گیا۔ جنت البقیع کا پورا  
ٹکڑا ایک فردوس تھا ایک ایسا جہنم کہ دیکھا دیکھا سننا کوثر و تسنیم کی موجیں اچھل اچھل کر  
ردشوں کو ہٹلا دھلا رہی تھیں شاخوں پر وہ پھول تھے کہ کرۂ ارضی کے پھول ان کی آترن  
منظر آئے ان کے رنگ ان رنگوں سے جو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہیں مختلف، جاذب  
اور خوش منظر تھے دہان کی رعنائیاں، ہماری رعنائیوں سے بالکل جدا گویا راضی کائنات  
کی رعنائیاں ان کے عشر عشر کا عکس ہیں ایک نورانی جزیرہ ہے جس میں فضیلتوں کے  
آبشار بہہ رہے ہیں اُحد سونے کا پہاڑ ہے اس کے دامن میں شہدا کی بھیل ہے، اس  
بھیل میں چاندی کا پانی بہہ رہا ہے اور سونے کی موجیں اچھل رہی ہیں یا قوت کے کنا سے  
اور ان پر نسیم کی دھاریاں ہیں رحمت کے بھرے ہیں شفاعت کا سائبان ہے جس درخت

تکے بیت رضوان ہوئی تھی اس کے چپوں میں حوریں اڑی پھر رہیں اور غلمان حاضر خدمت ہیں  
امہات المؤمنین کے حجرے ہیروں کی گندھاوٹ سے تیار ہوئے ہیں حیا کی چار دیواری سے  
عفت کے موتی ڈالک رہے ہیں حضرت خدیجہ امہات المؤمنین کی صدر نشین ہے حضور  
کے الفاظ میں وہ کائنات کی دو افضل ترین عورتوں میں سے ایک ہیں مریم اور خدیجہ  
(بخاری و مسلم، جبریل امین انہی کے لیے بشارت لائے تھے کہ انہیں جنت میں ایک ایسا  
گھر ملنے کی خوش خبری سنا دیجے جو موتیوں کا ہوگا اور دہان کوئی شور و غل اور محنت و  
مشقت نہ ہوگی حضور فرماتے ہیں۔

جب لوگوں نے مجھے تکذیب کی تو خدیجہ نے میری تصدیق کی،  
جب لوگ کافر تھے وہ سلام لائیں، جب میرا کوئی مبین نہ تھا تو انہوں  
نے میری مدد کی، میری اولاد انہی سے ہوئی۔

وہ کرۂ ارضی کی پہلی عورت تھیں جس نے وحیِ اول کے وقت اپنے عظیم الشان شوہر سے  
کہا تھا۔

آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا

وہ نبوت محمد کی پہلی مصدقہ تھیں وہ پہلی شریک نماز اور پہلا مقتدی تھیں۔

آج صبح فاطمہ کے سزار پر گم سم کھڑا سن رہا تھا ام المؤمنین کہہ رہی ہیں اے  
اہل عرب، حیا کرد میری نور چشم کے مرتد سے یہ سلوک کر رہے ہو اس کے باپ نے تمہیں  
شرف بخشا اور خیر الائم بنایا تھا۔

حضرت سہوہ آیہ حجاب کے بلو میں تھیں حضرت عائشہ کا حجرہ حضور کا مدفن  
مبارک ہے عائشہ ہی کے سینہ پر سر رکھ کے حضور نے وفات پائی تھی انہی کی بدولت خدا



نے تیمم کا حکم صادر کیا حضور کے مرض الموت میں سواک چاکر انہی نے دیا تھا، ان کا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان تھا اور غار حرا میں دو کا دوسرا جو صدیق کے لقب سے مقرب ہوا جو خلافت النبی کا پہلا فرماں روا تھا آج جنت البقیع میں اس کی بیٹی حضور کی بیٹی حضور کی بیوی اور ہماری ماں ایک بے نام نشان قبر میں استراحت پذیر ہیں حضرت حفصہ صمّ النہار اور قائم العیال تھیں عمر کی بیٹی اور رسول کی ان بیوی کا مزار بھی اس شرعی سنگین کا شکار ہے حضرت زینب ام المساکین کی لحد اپنی کنیت کا عکس ہے حضرت ام سلمہ کا بچھونا حضور کی جامناز کے سامنے بچھنا تھا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی تو ان ہی کے حجرے میں وحی اُتری تھی غزوہ خیبر میں شریک تھیں حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھیں حجۃ الوداع میں ہمراہ رہیں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خواب دیکھا کہ رسول اللہ نہایت پریشان ہیں سراور ریش گرد میں اٹے ہوئے ہیں پوچھا یا رسول اللہ کیا حال ہے ارشاد ہوا مقتل حسینؑ سے آ رہا ہوں آنکھ کھلی تو آنسوؤں کا سیل تھا فرمایا:

”اہل عراق نے حسینؑ کو قتل کیا خدا ان کو قتل کرے حسینؑ کو ذلیل کیا خدا ان پر لعنت کرے“

ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی جنت البقیع میں دفن ہوئیں انہی خستہ حال قبروں میں ایک قبر ان کی بھی ہے حضرت زینب بنت جحش اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی اور فقر و مساکین میں لٹا دیتی تھیں حضور کی پھوپھی زاد تھیں جنت البقیع کے دیرانے میں وہ بھی سو رہی ہیں حضرت جریرہؓ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی اور میراٹم کے حرم کا چراغ تھیں ان کی آخری آرام گاہ بھی اسی دیرانے میں ہے حضرت ام حبیبہؓ امیر معاویہ کی بہن تھیں ان کے باپ ابو سفیان فتح مکہ سے پہلے ان کے گھر میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بچھونے پر بیٹھا چایا آپ نے بچھونا الٹ دیا باپ نے بگڑ کے کہا بچھونا اس قدر عزیز ہے فرمایا رسول اللہ کے فرش پر کوئی مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔ روایت ہے کہ مدینہ میں حضرت علیؑ کے مکان میں آپ کی قبر تھی لیکن علیؑ کا مکان نہ رہا یہ قبر کہاں رہتی! رہے نام اللہ کا، حضرت مسیونہؓ کا انتقال صرف میں ہوا حضرت ابن عباس نے جنازہ پڑھایا جنازہ اٹھا تو حضرت ابن عباسؓ بولے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا جنازہ ہے بہ ادب اور آہستہ چلو حضرت صفیہؓ عاتل افضل اور حلیم تھیں (اسد الغابہ) وہ غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر آئی تھیں سرکارِ دو عالم کے حرم میں داخل ہو گئیں ایک دن ابدیدہ تھیں حضور تشریف لائے سبب پوچھا فرمایا کہ صفیہؓ و عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم ازواج میں افضل ہیں ہم آپ کی زوجہ ہونے کے علاوہ چچا زاد بھی ہیں حضور نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ مارون میسر باپ موسیٰ میسر چچا اور محمد میسر شوہر ہیں۔

جنت البقیع ان گیارہ میں سے نو کی آخری آرام گاہ ہے لیکن حکمرانوں کی شرعی خستہ کا شکار رسول اللہ کے اہل بیت رسول کی اولادیں رسول کے ساتھی، رسول کے جانثار رسول کے جانشین رسول کے فدائی حتیٰ کہ رسول کو گود میں کھلانے والی حلیمہ سعدیہ یہاں اس طرح لیٹی ہوئی ہیں جس طرح گنہگار اور بے مسودوں پر عبارتیں قلم کی کتر ہوت سے دم توڑ دیتی ہیں۔

میں رات بھر انہی خوابوں کے جزیرے میں پھرتا پھرتا رہا آنکھ کھلی تو مسجد نبویؐ کا موزن پیکار رہا تھا۔

الصلوۃ خیر من النوم

(نیند سے نماز بہتر ہے)

کیا یہ واقعہ نہیں کہ نیند سے نماز بہتر ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے جو لوگ اپنی صبح کا



آغاز اللہ کی بڑائی سے کرتے ہیں ان کی رات اتنی طویل کیوں ہو گئی ہے؟

معا ملک عباس نے جگا دیا — ان کے ہمراہ مسجد نبوی چلا گیا نماز پڑھی، حضور کی چوکھٹ پر پہنچا آنکھوں میں برلیاں اُتر آئیں وہاں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نہ سکا، یہ تاب ہی کہاں تھی اگر عرض کروں بارگاہ رسالت میں حاضری بھرنا سعادت دارین سے کم نہیں لیکن حضوری پانا تسخیر کونین سے بھی زیادہ ہے ملک عباس اسطوانہ عائشہ پر بیٹھ گئے میں باب بھر نیل سے نکل کر جنت البقیع میں چلا گیا اور سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی بارگاہ تک پہنچا قریب جاگ رہی تفتیس مسافر سو رہے تھے، ماں حسنی سے کہہ رہی، میں نور نظر تجھ پر کیا بیٹی؟ وہ کہتے ہیں:

"ماں وہی جو البیت کے دشمن طے کر چکے تھے میں نے نانا آبا کی امت میں خون خرابہ روکنے کے لیے خلافت چھوڑ دی لیکن جن کے دلوں میں ہمارے لیے بغض تھا کسی طرح راضی نہ ہوئے میری بیوی جعفر بن اشعث نے مجھے زہر دیا جس سے قلب جگر کٹ گئے میں نے روضہ نبوی میں دفن ہونا چاہا مگر ان تلوار لے کر کھڑا ہو گیا اعلان کیا کہ نانا کے پہلو میں نواسہ دفن نہیں ہوگا اب ماں کا دامن ہے اور میں ہوں۔"

زمین العابدین دادی اماں سے کہہ رہے ہیں:

"نانا آبا کی امت میں ہم پر سلام بھیجنے والے اتنے شقی القلب نکلے کہ خاندان رسول مار ڈالا مجھے تمہیں سوا شرفی کے لالچ میں باندھ کر ابن زیاد کے حوالے کر دیا ابا جان کا سر کاٹنے سے پہلے اصرار کیا کہ حسین جلدی کرو، نماز کا وقت ہو رہا ہے — اور وہی قوم ہمارا کلمہ پڑھتی اور ہم پر درود

بھیجتی ہے۔"

یا قنڑ آبا سے کہہ رہے ہیں:

"دادا آبا شہید ہوئے تو میں اس وقت تین برس کا تھا۔"

امام حسینؑ نے کہا:

"میری بیٹی کے بیٹے اور میرے بھائی کے پوتے ہم پہ جو بیت گئی پہاڑوں پر بیٹتی تو ان کا پتہ پانی ہو جاتا لیکن موت نے بھی مساندوں کے دلوں کی سنگینی کو — دم نہیں کیا۔"

جعفر صادقؑ نے کہا:

"دنیا کسی کے موافق ہوتی تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دے دیتی ہے

اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی پھین لیتی ہے۔"

حضرت عباسؑ بن عبدالمطلبؑ نے کہا:

"میں سے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جگر پارو! تمہارے ساتھ ان کے امتیوں نے جو سلوک کیا وہ میرا اندازہ میں تھا میں نے علیؑ سے کہا تھا خاندان عبدالمطلب کے چہرے موت کے وقت شکستہ ہو جایا کرتے ہیں رسول اللہؐ کا عالم رخصت ہے آؤ ان سے پوچھ لیں۔"

میرا اندیشہ یا اندازہ درست نکلا آل رسولؐ شہید کی گئی جب تک وہ زندہ رہے معاندوں کی تلواریں نیام سے باہر رہیں وہ رحلت کر گئے تو ان کے قلم تلوار ہو گئے اب ان کے لیے کوئی نیام نہیں۔

اس وقت میں تنہا تھا پندرہ منٹ اسی سوچ میں مستغرق رہا آخر چپکی بندھ گئی۔



آنسوؤں کی بوند باندی موسلا دھار ہو گئی، میں ڈھائیں مارا کہے رونے لگا وہ سپاہی جو  
باہر کھڑا تھا اندر آگیا اس نے کہا،

شلیعہ؟ مڑ کے دیکھا تو مدینہ یونیورسٹی کا ایک طالب علم کہہ رہا تھا۔ مودہ  
سیاحی نے کہا۔ طیب! رُح اور چلا گیا،

وہ طالب علم غالباً مطیع الرسول تھا جو مدینہ یونیورسٹی کے پاکستانی طلبہ کی طرف سے  
دعوت دینے ڈھونڈتا ڈھانڈتا یہاں آگیا اور مجھے اس حالت میں پا کر خود آبدیدہ تھا میں  
نے اس سے کہا ان عربوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ان مزارات کی بے حرمتی کا نام ان کے نزدیک  
قرآن و سنت ہے؟ کیا انہیں ردیوں کے اس سیفنے کی عظمت کا اندازہ نہیں؟

اُس نے کہا جذبات بر مسلمان کے ہیں اور جو مسلمان عقیدتوں کے آگینے لے کر باہر سے  
آتا ہے اس کو ایسی ہی ٹھیس لگتی ہے لیکن آل سعود کی فرماں برداری سے پہلے بدعت، گمراہی  
اور شرک انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

میں نے مطیع الرسول کی بات کاٹتے ہوئے کہا منطق کے ڈھیر الگ کیجئے سوال اتنا  
ہے کہ اس بدعت اور اس شدت میں کیا رشتہ ہے مگر ای کو روکنے کی آڑ میں بے حرمتی  
جائز ہے؟ کیا عشق کا نام عربوں کی لغت میں شرک ہے؟ یا ان کے ہاں سرے سے یہ  
لفظ ہی موجود نہیں ان کے دل ابھی تک بنو امیہ ہیں۔

میں عربی سے واقف ہوتا تو کہہ صفا اور جبل احد پر کھڑے ہو کر پکارتا،

”اے محمدؐ کے ہم وطنو! تم نے جنت البقیع میں ہل پھر دا کر ہمارے دل کے

شیشے توڑ دیئے ہیں اور اب ان میں کوئی صدا باقی نہیں رہ گئی ہے!

قصر حجاز میں طلبہ کا ایک بھگٹ ہو گیا کئی لوگ میری حاضری کا سن کر چلے آئے اور

دعوتیں دینے لگے میں ان سے معافی چاہ رہا تھا کوئی عذر کارگر نہ ہوا تو میں نے مشاد کے بعد  
کوئی فیصلہ کرنے کا وعدہ کیا اور وادی احد کی طرف چلا گیا جبل احد مدینہ طیبہ سے شمال کی  
جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ہے حضورؐ نے فرمایا تھا جبل احد جنت کے پہاڑوں  
میں سے ہے۔ یہ ہم سے محبت کرتا اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں آل عمران کی دوسو آیتیں  
بدر احد کے عواقب و نتائج پر بحث کرتی ہیں اور اس کے بیس رکوع بدر احد کا نالہ کئے  
ہوئے ہیں صحیح بخاری کے باب غزوہ احد میں ہے کہ آیت ”وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا“  
الاعلون ان کمتم مومنین“ رگھوڑ اور ڈرو نہیں تمہی غالب رہو گے جب تک کہ مومن  
ہو، عین غزوہ احد ہی میں نازل ہوئی اب بھی جبل احد ہی سبق دیتا ہے۔

الانسان حاضر ہوتے ہی محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک عظمت کے سامنے کھڑا ہے، غوت  
بھی ہے لیکن ایسا خوف جو کسی عظمت کے حلال سے پیدا ہوتا ہے دل کشی بھی ہے جو حسن  
کا قدرتی مطالبہ ہے شہادت کی آفتاب اسی طرح چمکتی ہے حضورؐ نے اس پر کھڑے ہو کر اسے ایک  
ایسی عظمت بخش دی ہے کہ دل خود بخود اس کی طرف کھینچا جاتا ہے یہیں آپؐ کے دندان  
مبارک شہید ہوئے تھے اور یہیں وہ غار ہے جہاں آپؐ نے چوٹ کھانے کے بعد آرام  
فرمایا تھا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زخم دھوئے اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر ان میں راکھ بھری تھی  
یہی وہ جگہ ہے جہاں انہی صحابہؓ شہید ہوئے اور حضورؐ کے گرد اگر وہ جانیں نچھاور کی صفیں  
یہیں لشکر اسلام کو شکست ہونے لگی تو حضورؐ کی دعا نے اسے فتح میں بدل دیا تھا اس  
کی تاریخ کا پلا دن ۳ ہجری کے شعبان کی پندرہ تھا جب قریش کمرہ تین ہزار کا لشکر لے کر  
نکلے اور مقابلہ میں صرف سات سو مسلمان تھے عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھی لے کر  
الگ ہو گیا تھا کہ محمدؐ نے ہماری بات نہیں مانی ہم اس کا ساتھ نہیں دیں گے اسی بنا پر



عقبہ کی بیٹی ہندہ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی ام حکیم خالد کی بہن فاطمہ بنت ولید مسعود شقی رئیس طائف کی بیٹی برزہ، عمرو بن عاص کی زوجہ رلیط، مصعب بن عمر کی ماں حنا س لشکر قریش کے ہمراہ بدر کا بدلہ چکانے آئی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف قریش کے غضب کو بھڑکا رہی تھیں ان کا غم تھا کہ ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں ہم تالیمنوں پر چلنے والی ہیں بڑھ کے لڑدے تو ہم تم سے گلے ملیں گی پیچھے ہٹو گے تو لگ بھگ میں گی انہی کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ پانچے پڑھائے مشکیزے بھر بھر کے لاتیں اور زنجیروں کو پانی پلاتی تھیں حضرت ام عمارہؓ حضور پر کافروں کا وارہ دکنیں اور ڈھال بنی ہوئی تھیں۔

احمد تلواروں کے ٹکڑے گونج رہا تھا سپاہی کا فرض ہے کہ میرے کو خون سے رنگ دے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو جہل کفار پر ٹوٹ پڑے تھے جبر بن مطعم کے غلام وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر ڈالا حضرت حنظلہؓ ابو سفیان کو ہلاک کیا چاہتے تھے کہ خود شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر رسول اللہ کے مشابہ تھے ابن قتیبہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے انوار پھیل گئی کہ حضور شہید ہو گئے ہیں علیؓ صفیں لٹتے جا رہے تھے عرض نے بدل ہو کر تنوار پھینک دی کہ اب لڑ کر کیا کریں ابن زہر نے کہا ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ اور شہید ہو گئے ان کے جسم پر استی سے زیادہ زخم تھے حضرت کعبؓ نے چہرہ رسالت دسکتا پایا تو چمکار اٹھے، اسے دالبستان رسالت محمدؐ زندہ اور وہ سامنے میں بس جانتاروں نے کفار پر ہل بول دیا۔ گھمسان کارن پڑا دشمن لرز گئے لیکن کفار سرکش تھے اور اس تاقلہ رسالت کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے حضور نے غضب ناک ہو کر فرمایا:

”وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کے کو لہو لہان کر تی ہے۔“  
حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کے اس جملہ پر کہ سب مر گئے لکار کے کہا کہ اودشمن خدا ہم سب زندہ ہیں اسی احد کے دامن میں زمین سے دوزینے بلند اور پہاڑ سے ڈھیروں نیچے حضرت امیر حمزہؓ، عبداللہ بن جحش اور مصعب بن عمیرؓ کی قبریں ہیں لیکن آل سعود کی شرعی یلغار نے ہموار کر دی ہیں، یہیں ہندہ نے حضرت امیر حمزہؓ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ چایا اور شلہ کیا تھا۔ انہی شہداء کے فراق میں مدینہ اشکبار تھا ہر گھر سے چیخیں آ رہی تھیں انہی چیخوں پر حضورؐ نے کہا تھا:

”آہ! حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں!

ہندہ نے تو حمزہؓ کا کلیجہ چایا تھا لیکن انہوں نے حمزہؓ کی قبر چا ڈالی ہے مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن جحش دفن ضرور ہیں لیکن وہ قبریں نہیں ان کا سایہ بھی حرب کہتے ہیں کہ یہاں امیر حمزہؓ دفن ہیں یہ عبداللہ بن جحشؓ یا مصعب بن عمیرؓ کی قبریں ہیں اور اکثر شہداء اسی مٹی میں سو رہے ہیں ہم بیان اس کے لحاظ پر اعتقاد کرتے اور سر جھکاتے ہیں۔ کہ احد کا یہ میلانی ٹکڑا ۸۰ صحابہؓ میں سے بیشتر کی خواب گاہ ہے۔

پاکستانی فوج کے چیف آف سٹاف جنرل عبدالحمید یہاں آئے احد دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھے جس کرمانا نے چودہ سو سال پہلے احد کے اس پہاڑ سے مدینہ کا دفاع کیا اور کفار کی چار گنا فوج کو شکست دی تھی وہ شہدائے قدرت کا معجزہ تھا اس زمانہ میں جب آج کی عسکری سائنس کا وجود نہ تھا یہاں سے قریش مکہ کو شکست دینا عسکری نقطہ نگاہ سے واقعی معجزہ تھا اور جب جنرل عبدالحمید سے حجاز ریڈیو کے نمائندے نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک سب سے بڑا جرنیل کون ہے؟ جواب دیا جس نے یہ مورچہ قائم کیا اور مسطحی بھر







علیؑ نے یہاں تلوار کے جوہر دکھائے تھے یہ اصحاب رسولؐ کی شہادت گاہ ہے اُس صحابیؓ کی جانثاری یاد ہے جس نے کھجوریں کھاتے کھاتے رسول اللہؐ کی اس صدا پر کہ شہادت مقصود و نثار مومن ہے کفار مکہ پر بجلی کی طرح جھپٹ کر داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ جہاں ابوسفیانؓ کے پتھر اذکی تاب نہ لا کر بھاگ گیا تھا جہاں ابوبکرؓ حضورؐ کے جلد جنگ کی درباری کو رہے تھے جہاں حضورؐ کی پھوپھی نے اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کی نعش دیکھ کر صرف انا للہ کہا تھا اور کفن کے لیے در چادریں دی تھیں اور ان میں دو صحابیؓ کفنائے گئے تھے جہاں مصعبؓ کے کفن کی چادر اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے ان کے پاؤں پر گھاس ڈالی گئی تھی عربوں کے دامن میں اسی کے سوا کیا ہے؟ شاید انہیں احساس نہیں رہا کہ ان کے چہرہ خشک ہو چکے ہیں اب ان کی نماندگی ام کلثومؓ کی آواز کرتی ہے۔

طاؤس درباب آخر۔

احمد سے ہو کر مسجد تہا چلا گیا حضورؐ نے فرمایا تھا یہاں دو رکعت ادا کرنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔ یہاں باہر ایک کنواں ہے اسے بیرمس اور بیر خاتم بھی کہتے ہیں بیر خاتم اس لیے کہ عثمانؓ کے ہاتھ سے اس میں انگشتری نبوت گر گئی تھی خاتم کے معنی انگوٹھی کے بھی ہیں اور بیر کے معنی ہیں کنواں حضورؐ اس کے من پر پاؤں رکھا کرتے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ساتھ تھے۔ مسجد غمامہ روضہ اہلہ کے مغربی جانب ہے غمامہ کے معنی ہیں بادل، حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے تمازت آفتاب کی روک کے لیے ان پر بادل کا سایہ کر دیا تھا مسجد شمس میں حضورؐ علیؑ کے زانو پر سر رکھ کے آرام کر رہے تھے کہ عصر کا وقت نکل گیا حضرت علیؑ نماز قضا ہونے پر ابیدہ ہو گئے حضورؐ کے چہرہ اقدس پر آنسو گرے آنکھ کھل گئی، سبب پوچھا علیؑ نے عصر نکل جانے کا ذکر کیا حضورؐ نے سورج

کو اشارہ کیا تو سورج عصر کے وقت پر لوٹ آیا، علیؑ نے عصر پڑھی اس واقعہ پر اس کا نام مسجد شمس ہو گیا اس کو مسجد الفیض بھی کہتے ہیں فیض عربی میں کھجوری شراب کا نام ہے شراب کے حرام ہونے کی آیت یہیں نازل ہوئی تھی۔ مسجد نفع یا احواب جبل سلع کے مغربی کنارہ پر ہے۔ اس کے گرد اگر دسلمان فارسیؑ نے غزوہ احزاب میں خندق کدوی تھی یہاں حضورؐ کے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؑ نے شیے نصب کئے تھے، یہاں ان کے اور ناظرہ الزہراءؑ دسلمان فارسیؑ کے نام پر مساجد بنی ہوئی ہیں یہ مسجدیں بھی شاہی سلطوت اور شرعی خشونت کے فریقہ میں ہیں، قریب امریکی طرز کا شاہی محل ہے محل میں بہت بڑا باغیچہ ہے لیکن وہاں شرع مفرد ہو گئی ہے۔

مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں دادی عتیق کی جانب مسجد قبلتین ہے اس کے دو حراب ہیں ایک کعبہ کی طرف ایک بیت المقدس کی طرف بیت اللہ کی طرف نماز کا حکم نہیں ہوا تھا تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ اب اس کی نئی تعمیر ہو گئی ہے جنت البقیع سے مشرقی جانب مسجد صبابہ ہے اب شہید کی جا چکی ہے اس کا کنواں بھی خشک ہو چکا ہے مٹی کا ایک چبوترہ ہے جس پر چنڈ پتھر شاہی جلال پر مسکرا رہے ہیں یہاں حضورؐ نے تین دعائیں کی تھیں دا، میری اُمت قحط کا شکار نہ ہو (۲)، ملت محمدیہ غرق ہو کر تباہ نہ ہو (۳) اس میں باہم نفاق نہ ہو۔ عوامی میں مسجد ابراہیمؑ ہے جہاں حضورؐ کے لخت جگر سیدنا ابراہیمؑ پیدا ہوئے تھے۔ جبل احد کے دائیں جانب سڑک پر مسجد البوز غفاریؑ ہے حضورؐ نے یہاں دیر تک سجدہ کیا تھا صحابہؓ نے پوچھا تو فرمایا جبریلؑ آئیں آئے تھے کہا ہے کہ جو مسلمان درود پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی اور جو سلام پڑھے گا اس پر سلامتی البوز غفاریؑ نے یہاں مسجد بنوادی جو ان کے فقر کا عکس ہے۔



غرض مدینہ مہد نبوت کی اپنی یادگاروں کا نواذر خانہ ہے مسجدیں ہیں، گزٹیں ہیں اور ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاریخ لگی ہوئی ہے البرکٹ، عمر عثمان اور علی کے مکانات کی صفت نشانہ ہی ہوتی ہے حضرت علیؓ کے مکان میں اب دارالمطالعہ ہے، خالد بن ولید کا مکان کئی بیٹوں کی تبدیلی کے بعد شاہ سعود نے ملک غلام محمد کو نذر کیا تھا وہاں اب پاکستانی حکومت کا ہمان خانہ ہے اس ہمان خانہ میں دہی لوگ ٹھہرتے ہیں، جنہیں سفارت خانہ کے دانشوروں کی خوش نودی حاصل ہو اور دانشور دین کے جھگڑوں کا نام ہے انہیں عقائد سے کم ہی سروکار ہوتا ہے۔

حضرت کے والد کا مزار اقدس باب النساء کے ایک محلہ میں واقع ہے اب اس کے دروازے اینٹوں سے چن دیئے گئے ہیں باہر ایک کتبہ آریزاں ہے کہ یہ عبداللہ والد پیغمبر علیہ السلام کا مزار ہے روایت ہے کہ حضرت کی والدہ حضرت آمنہ کا انتقال بھی مدینہ ہی کے حدود میں ہوا تھا۔ جنت البقیع کی چار دیواری کے باہر حضرت عثمانؓ کے مزار سے کوئی پانچ سو فٹ کے فاصلہ پر حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے مزار میں کسی لوگ جنت البقیع ہی سے اس رخ پکھڑے ہو کر فوت ہو رہے ہیں۔

مدینہ میں نئی چیزیں صفت ہوئی، میں حرم کے چاروں طرف یورپی مصنوعات کی لہری چندی  
دکانیں ہیں زرمبادلہ کے بیوہاری ہیں، بیروت کے رسائل و جرائد ہیں، بال کٹائی کے  
سیلون ہیں، اونٹ غائب ہو چکے اور سیارے اڑے پھر رہے ہیں لیکن چشموں کا پانی کجھوڑوں  
کے جھنڈ، انسانوں کی شکلیں اور فضا کا تاثر وہی پُرانا ہے ان میں اب تک قرنِ اول کے  
معجزوں کی بوباس ہے حضرت عثمانؓ کا باغِ محکمہ زراعت کا تجوہ خانہ ہے جہاں اونٹ نہیں

گائیں بکریاں اور مرغے، یہ وہ کنواں جو مسلمانوں کے لیے حضرت عثمانؓ نے بیس ہزار درہم میں خرید لیا تھا شاید انہی دنوں خشک ہو گیا تھا جن دنوں مسلمانوں نے ان کی شہرہ رگ کا خون لے کر اس احسان کا قرض چکا یا تھا۔

عصر سے کچھ دیر پہلے واپس آیا تھوڑا سا آرام کیا اذان سے قبل مسجد نبوی میں پہلا گیا پچھلے دو تین دن سے معمول تھا کہ باب عبد المجید کے پہلے حصہ ہی میں نماز پڑھتا اور حاضری دیتا تھا آج خود ہی تیسرے حصہ میں پہلا گیا ملک عباس حسین شیخ ضیاء الدین بفضل حق اور بعض طلبہ نماز کے لیے ہمراہ تھے میسر ہوا ہر ایک پاکستانی نوجوان تفسیر پڑھ رہا تھا، ہدایت مند چھی برٹی تعجب ہو کہ اردو میں ایسی کوئی تفسیر ہو میسر نہ ہو اس خیال سے کہ نام معلوم ہو میں نے بفضل حق سے کہا اس سے پوچھو کہ یہ کس کی تفسیر ہے اور کہاں چھی ہے!

اس نوجوان نے جواب دینے کے بجائے سردق کھول دیا اس پر لکھا تھا تفسیر صغیر از الحاج مرزا بشیر الدین خلیفۃ المسیح الثاني رضی اللہ عنہا، میرا اندر بل گیا کہ یہ تفسیر اور یہاں کسٹم و سب سے وہ میں کلام مجید کا اردو ترجمہ نہیں دیتے یہ تفسیر یہاں کیسے آگئی؟ اتنے میں نماز پکڑی ہو گئی وہ نوجوان میرے ساتھ ہی کھڑا تھا اور تفسیر اس کے روبرو پیشانی کی جگہ رکھی تھی چار رکعت پڑھتے ہی میں نے محسوس کیا کہ میری نماز مسد ہوئی میں مجروح سمجھنے لگا ہے ایک تادیبانی میں اتنا حوصلہ کیونکر پیدا ہوا کہ یہاں نماز پڑھے اور بشیر الدین کی تفسیر لائے ہم نے اس سے کہا تم اور یہاں؟ اور اس پر یہ تفسیر؟ پہلے تو وہ اکثر فوں کرنے لگا لیکن جب اس کو معلوم ہو گیا کہ میں کون ہوں تو اس نے باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں بہر حال ہم نے پولیس کو بلا کر اس کے حوالے کر دیا۔ پولیس کو میرا غلام احمد اور اس کی امت کے عقائد و اعمال سے متعلق کچھ معلوم نہ تھا ان کے لیے یہ الزامی چیز تھی لیکن وہ اتنی سی بات سے اصل حقیقت



تک پہنچ گئے کہ انگریزوں کے عہد میں ایک منغل زاوے نے ہندوستان میں اپنے نبی  
ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس طرح حضور کی ختم المرسلین کو نقب لگا لیا ہے اور شخص اس کا  
پیروکار ہے اور یہ کتاب اس کے بیٹے کی ہے جو خلیفہ المسیح کہلاتا ہے۔ پاسپورٹ پر  
اس کا نام عبدالرحمن اختر ولد چودھری مہتاب لکھا تھا پولیس انیسر نے پاسپورٹ  
قبضہ میں لے کر اس کو گرفتار کر لیا۔ پہلے تو اس نے — پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے  
دیا متقدّم چھوٹ بوسے، میرزائی ہونے سے انکار کیا آخر معلوم ہوا کہ اس کی بہن آمنہ اور اس  
کی بیوی بشری یہاں ہسپتال میں نرس ہیں یہاں ان کا پورا طائفہ موجود ہے تب یہاں کوئی  
صاحب ڈاکٹر فاروق تھے جو ان کے امیر بیان کیے گئے۔ بہر حال مدینہ بھر میں پُرچا ہو گیا  
میرزائیوں نے ورڈ دھوپ کی ان کی پہلی پناہ گاہ ہمارے سفارت خانے میں، میں نے  
مدینہ کے عمامہ دین سے مل کر ان کا ہر راستہ رکوا دیا۔ حکومت سعود کا اعتراض صحیح تھا کہ  
جن لوگوں کو آپ کی حکومت بمطور مسلمان پاسپورٹ دیتی ہے ہم حرمین میں داخلہ سے نہیں  
روک سکتے تاہم اس قسم کے افراد کا علم ہو جائے تو نکال دیتے ہیں بے کچھ دیر حراست میں

۱۔ اس نوجوان نے پولیس سے واویل کیا کہ شورش کا میری ہمارا خلق دشمن ہے لیکن وہاں سوال ہی کچھ اور  
تھا بھلا اللہ شرف میرے لیے بڑی دولت ہے کہ میں نے رسالت کی باغی جماعت کے ایک نرک مہذب نوئی  
میں محاسبہ کیا اس کے بعد حکومت حجاز نے پابندی لگا دی کہ پاکستان اور ہندوستان کے حجاج کو ویزا دیتے  
وقت پوچھ لیا جائے کہ ان کا مسلک کیا ہے جو اپنے تئیں احمدی ظاہر کرے اس کو مطلقاً ویزا نہ دیا جائے  
اس کے باوجود کوئی احمدی ثابت ہو تو اس کو اخفاء کے حرم میں سزا دی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پچھلے کئی  
سال سے احمدی حجاز میں جا رہے اور وہاں رہ رہے ہیں۔ اب یہ بطلانوی یا امر کی استعاری ہی تباہ کتا

رہنے کے بعد اس نوجوان کو اس کی بیوی اور بہن سمیت حجاز سے نکال دیا گیا۔ عشق رسول  
کوئی پہاڑی داعظ نہیں اور نہ بقتسمہ لینے کا نام ہے عشق رسول کی اساس ادب پر ہے،  
کوئی بے ادب بارگاہ رسالت سے فیض نہیں پاسکتا جو شخص جتنا باادب ہوگا، اتنا ہی  
بارگاہ رسالت سے فیض پائے گا۔

میرزائیوں نے ظلی و بروزی اصطلاحوں کی آڑ میں امانت رسول کا جرم کیا ہے اور یہ  
جرم اتنا سنگین ہے کہ ہمارے حکمران جو قوم کیا چیز ہے قوموں کی حقیقت کیا ہے کے معانی و  
مضمرات سے ناواقف ہیں دین کی اس لم کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ملتیں انہیں سے تشکیل پاتی  
ہیں میرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت مسیحا کذاب کے فتنے سے کم نہیں انوس ہے کہ اس  
زمانہ میں کوئی صدیق نہیں، کوئی عمر نہیں، کوئی عثمان نہیں کوئی علی نہیں۔ استحقاق نبوت کی  
حد ہو گئی کہ ایک شخص اور اس کا خاندان جو اپنے ہی الفاظ میں برطانیہ کا خود کاشترے پودا ہے  
محمد کے گھرانے کے تمام اعزازات لوٹ رہا ہے اور اس کی باز پرس سیاسی مصلحتوں کے  
بھینٹ چڑھی ہوئی ہے بعض لوگ جو اپنے سیاسی وجود پر حرف ناگوار برداشت نہیں  
کرتے اس بارے میں رواداری کا سبق دیتے ہیں۔

خدا کے خوف، پیغمبر کے ناموس، مذہب کی غیرت اور عقائد کے شرف سے ہاتھ اٹھا  
لینے کا نام رواداری نہیں اور نہ کسی رہزن کو رواداری کے نام پر چھوڑ دینا اسلام یا انسانیت ہے۔

ہے کہ ان کے سپرد کون سا مشن ہے انوس ہے کہ پاکستان کی وزارت خارجہ ان کے معاملہ میں ضرورت سے  
زیادہ فیاض واقع ہوئی ہے اور جو لوگ عرب ملکوں میں پاکستان کے سفیر مقرر کیے جاتے ہیں وہ ان کی بابت  
بہت کم معلومات رکھتے ہیں۔



اگلے روز (۱۲ نومبر) صبح سویرے ملک عباس حسین اپنی گہری یاد چھوڑ کر شیخ ضیاء الدین کے ہمراہ انجمن دہلی چلے گئے تھوڑی دیر بعد نفل حق بھی مکہ روانہ ہو گیا، میں اکیلا رہ گیا لیکن مدینہ یونیورسٹی کے پاکستانی طلباء دن چڑھے آگئے ان سے عرب ممالک کے موجودہ حالات پر گفتگو ہوتی رہی بعض ایسے پہلو معلوم ہوئے کہ ہمارے یہاں کے لوگ بالکل نادانفہم ہیں۔ ہمارے دانشوروں کو بھی اس کا علم نہیں وہ تمام طلباء جو مجھے ملے آئے مردہ لوگ جو یہاں کا وباریا ملازمت کرتے ہیں ان سے کئی چیزیں معلوم ہوئیں ان طلبہ سے حجاز میں بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن ہمارے سفارت خانے صاحب لوگوں سے پڑ ہیں ان کے افسران اعلیٰ یقیناً عربی نہیں جانتے اور جتنی عربی جانتے ہیں ریاض یا جدہ جا کر سیکھتے ہیں اور وہ معمولی شدہ ہوئی ہے ان طلبہ کو اس لیے درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا کہ عربی کے طلبہ ہیں اور ان کے ساتھ کیرج یا آکسفورڈ ہینر زبان کی ذہانت ان کی قابلیت اور ان کا علم ہمارے پاکستانی صاحبوں سے بہت آگے ہے ان طلباء کا حال یہ ہے کہ ہر سال مدینہ یونیورسٹی کے مختلف درجات میں آتے ہیں تمام طلبہ کو حکومت حجاز کی طرف سے علاوہ دوسرے اخراجات کے لگ بھگ سو ریال جیب خرچ ملتا ہے جو طلبہ مجھے ملے ان سب کے نام تو یاد نہیں رہے لیکن بعض نام ان کی غیر معمولی ذہانت کے باعث حافظہ میں رہ گئے ہیں مثلاً عبدالرحمن ناصر جو اس زمانہ میں مسجد نبوی پر مقالہ لکھ رہے تھے انہیں نے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز سے ملاقات کا انتظام کیا اور ترجمان کے فرائض انجام دیئے، حافظ محمد امین زاہد کامونی کے نوجوان میں مخلص و فہیم، خالد خلیل نعمانی کراچی سے تھے اور زبان و ادب کے تیسرے شناس، محمد عثمان حیدر آبادی ذوق و شوق کے نوجوان تھے، مطیع الرسول علوی دہلی و علم میں ڈھلے ہوئے تھے، حبیب احمد جہانی ہندوستان میں غالباً بجنور کی جماعت اسلامی کے

امیر کے بیٹے ہیں ذہین و فطین، ادب کے علاوہ تاریخ پر بھی نگاہ رکھتے تھے، ان کے علاوہ مدینہ میں سیالکوٹ کے دو کاروباری نوجوانوں سے ملاقات ہوئی ایک محمد خورشید بیگ دوسرے محمد اشرف۔ دونوں خوبی اخلاق کا نمونہ تھے ایک اور نوجوان سید احمد مدنی صدر ہزم اردو اپنی وضع قطع سے سرب معلوم ہوتے تھے انہوں نے کھانے پر مدعو کیا ان کے ہاں اردو کے رسائل و جرائد اور کتابوں کا ایک منتخب اور محدود ذخیرہ تھا، جس سے پاکستان اور ہندوستان کے طلبہ مستفید ہوتے تھے افسوس کہ حال ہی میں ان کا انتقال ہو گیا وہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آ رہے تھے کہ ان کے موٹر کی بس سے ٹکرا ہو گئی اور حلت کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان طلبہ میں نوے فی صد دیوبند کے مدرسہ نکر کی مختلف شاخوں سے متاثر تھے لیکن عربوں کے حالات اور موشلوم کے نتائج نے جنہیں وہ شام و عراق اور مصر و سوڈان میں دیکھ آئے تھے اتنا جھنجھلا دیا تھا کہ انہیں اپنے مدرسہ نکر کے ان علماء کی روش پر حیرت تھی جو عربوں کی اشتراکی ریاستوں اور پاکستان کے اشتراکی ذہنوں کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ یہی سبب تھا کہ مجھ سے یونیورسٹی میں موشلوم کے موضوع پر تقریر کرانے پر مصر تھے اور میں نے انہیں اگلے روز گیارہ بجے صبح کا وقت دیا تھا کسی نے بتایا کہ مولانا ظفر احمد انصاری مؤثر اسلامی کے اجلاس میں آئے تھے مدینہ حاضری دے کر لوٹ رہے تھے کہ انہیں ایک ایکی عجیب سی بیماری ہو گئی یعنی گلا کام نہیں کر رہا۔ میں فوراً ان کے ہاں پہنچا وہ برابر ہی کے ایک ہوٹل میں ہٹھڑے ہونے لگے لگے لگایا لکھ کر بات کرتے رہے ان کے چہرے ہرے سے اطمینان ہو گیا کہ بیماری فرد رہے لیکن ان کی صحت کو بفضل تعالیٰ کوئی خطرہ نہیں۔ ان سے بات چیت کر کے لوٹا تو ہوٹل کے منتظمین سے معلوم ہوا کہ حرم نبوی کی انتظامیہ کے مدیر ڈاکٹر سید احمد



بن مضار العطاس المدنی میری تلاش میں ہیں ان کے ہاں پہنچا باب صدیق کے اوپر ان کا دفتر دیکھتے ہی پہچان گئے۔

مولانا! آپ کہاں ہیں ہم نے تو سارا مدینہ ڈھونڈ لیا ہے حضرت پیر گولڑہ شریف کے وقت آچکے ہیں کہ ہمارے دوست شوکت شمس کا شہری عمرہ کے لیے آئے ہیں انہیں ملے۔ ان کے اخلاص نے دل موہ لیا، میزبانی پر مصر تھے میں نے بہ منت مذا لیا کہ جہاں ٹھہرا ہوں ٹھیک ہے مجھ سے وعدہ لیا کہ کل رات ان کے ہاں کھانا ہوگا اور یہاں میسرے جو غنہ والے ہیں انہیں ساتھ لاؤں، سب کو دعوت ہے کچھ دیر ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ (گولڑہ شریف) سے جو نہیں ملا وہ ان کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا وہ قرن اول کے صحابہ کی تصویر ہیں یوں کہیے کہ اس زمانے میں عثمان کی سخاوت اور علی کے فقر کا نمونہ ہیں یہ ان کی ذرہ فوازی تھی کہ میں مدینہ النبی میں حرم نبوی کا مہمان ہو گیا، یعنی میرے میزبان سید احمد بن محمد الدعاس المدنی عضو ادارۃ الحرم الشریف النبوی تھے۔ حضور نے ایک ننگ خلافت کو اتنا شرف بخشا کہ جو ان کا دربان تھا وہ میرا میزبان اور میں ان کا مہمان۔۔۔۔۔۔ وہ رب ہی ہے جسے چاہتا ہے عزت بخشا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے یہ وہ مرتبے اور لذتیں ہیں کہ نہ تو ہر شخص کو ملتی ہیں اور نہ ہر شخص جانتا ہے، جس ذرہ حقیر کو بارگاہ ایزدی سے نوانا جائے اور اس پر حضور کی چشم کرم ہو وہی ان رتبوں سے بہرہ یاب ہوتا اور ان عزتوں سے آخرت کا نورہ سمیٹتا ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی دریاں موتی لے تریاں۔ (ہر غوطہ زن کو موتی نہیں ملتا کوئی ایک کامیاب ہوتا ہے) میرا معمول تھا کہ اوقات نماز کے علاوہ دن میں کئی کئی مرتبہ حرم نبوی میں حاضری بھرتا ریاض الجنّت میں ایک ایک ستون کے سامنے کھڑا ہوتا جہاں جہاں حضور نماز پڑھتے رہے۔

دلیاں دلیاں سجدے کرتا۔ ایک دن ریاض الجنۃ کی صفوں کے تمام مصلوں پر سجدے کئے  
آرزو یہ تھی کوئی ایسی جگہ نہ رہے جہاں حضور اور صحابہ کی جبین چھکی ہو یا پاؤں لگے ہوں اور  
میرا ماتھا چھونے کی لذت سے رہ جائے۔

میری حالت یہ تھی کہ پاگلوں کی طرح پھرتا جذب دسلوک کے معاملات عجیب ہیں میں  
فقر و مصروف کی رمزوں سے آشنا نہیں اور نہ یہ دولت ہر شخص کو ملتی ہے اور نہ ہمارا شمار  
ان راستروں سے گذر سکتے ہیں ان منزلوں کو وہی لوگ قطع کرتے ہیں جو نفس کو مارتے اور  
تجلیات عشق میں تحلیل ہو جاتے ہیں میں اس انسان کی طرح تھا جو حسرت و تعمیر کے سوا کچھ  
نہیں رکھتا یا اس بڑھیا کی طرح تھا جو موت کی اٹی بے کر یوسف کی خریداری کو نکل گئی تھی۔  
میں اندر کے دلوے اتنے از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ دیرانگی نے فرزانگی کو شہ مات دے کر  
مجھے جذب و دل بخشنا اور لذت جنوں سے مالا مال کر دیا تھا عثمانی بارونی زیادہ آ رہے تھے  
رقص کا عالم تھا

مغنی دانم که آخر چوں دم دیدار می رقصم  
مگر نازم به آن دقّقه که پیش یاری رقصم  
بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم  
بگیرد مرکز خود صورت پر کار می رقصم

۱۳۔ صبح کو دس بجے مدینہ یونیورسٹی گیا، وہاں سب سے پہلے یونیورسٹی کے چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز سے ملا یونیورسٹی نہایت پر شکوہ ہے اور اس کی تعمیر سے جامعاتی وجاہت کا اظہار ہوتا ہے۔ چانسلر کا دفتر دوسری منزل پر ہے اور بہت بڑا دفتر ہے۔ تمام دفاتر میں سرسبز قالین بچھا ہوا ہے، فرنیچر شاندار ہے طلبہ بلا روک ٹوک آتے جاتے ہیں شیخ اپنے میز کی



کری پر نہیں بلکہ صوفیہ پر بیٹھتے ہیں ان کے ساتھ ہی ملاقاتیوں کے لیے صوفیوں کی ایک لمبی قطار ہے اشیر طبع کی ضرورتوں پر فوراً احکام لکھواتے اور دفتری کاغذات کا جواب دیتے ہیں ان کا پرسنل اسٹنٹ ایک چابکدست عرب نوجوان ہے، کوئی کاغذ یا درخواست معلق نہیں رہتی۔

شیخ عبدالعزیز بن باز علاقہ نجد کے ہیں وہ ایک معمولی خاندان سے اس مقام تک پہنچے ہیں، پورے حجاز میں ان کے پایے کا کوئی عالم نہیں وہ علم دین کی ہر خصوصیت میں کامل دستگاہ رکھتے اور اپنے شخصی و علمی محاسن کی وجہ سے نجد و حجاز کی محبوب ترین شخصیت ہیں انہیں عوام کے دلوں پر حکمرانی حاصل ہے ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ شاہ فیصل عمر میں بڑا ہونے کے باوجود انہیں والد کی طرح سمجھتے اور اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ ان کے کھے ہوئے کو فرمان شاہی کا درجہ دیتے ہیں حجاز میں کوئی شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ پر روانہ راہداری کے بغیر نہیں جاسکتا لیکن بن باز کے دستخطوں کا اتنا احترام ہے کہ کسی کو خیالی کاغذ پر دستخط کر دیں تو کوئی بڑے سے بڑا افسر بھی اس کو روک نہیں سکتا وہ پیدائشی نابینا ہیں لیکن قدرت نے انہیں دیدہ بنایا ہے سارا حجاز ان کا گریہ ہے وہ ابتداءً سعودی عرب کے مشرقی صوبے میں چیف جج مقرر ہوئے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی حجاز میں بڑے بڑے عہدے شاہی خاندان یا شاہی قبیلہ کو دیئے جاتے ہیں لیکن شیخ کی علمی و جاہلیت اور شخصی عظمت کی بے پناہی تھی کہ انہیں یہ مقام حاصل ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پورے حجاز کے نائب مفتی، حکومت کی مجلس شوریٰ کے رکن اور سپریم کورٹ کے جج بنائے گئے۔ مدینہ یونیورسٹی بنی تو اس کے دانش چانسلر مقرر ہوئے چانسلر کی وفات پر ان کے جانشین ہو گئے ان کے اس مقام و مرتبہ اور عزت و عظمت کا بڑا سبب ان کی بے منفی، تجردی اور

فقر و استغنا ہے سعودی حکومت کے اعضاء و جوارح متول ترین افراد میں جو شخص بھی حکومت سے منسلک ہے اس کے پاس کم سے کم ایک آدھ کئی کئی منزلہ عمارت ضرور ہے لیکن شیخ بن باز کا ذاتی مکان بھی کوئی نہیں ان کی ماکانہ تنخواہ دس ہزار ریال ہے شاہ کی طرف سے انہیں گراں قدر تحائف ملتے رہتے ہیں لیکن ان کی دیر یا دلی کا یہ حال ہے کہ سب کچھ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں ان کے دسترخوان پر روزانہ بیس پچیس جہان ضرور ہوتے ہیں ان کے ہاں سے کوئی سائل کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ان کا اپنا لباس تیس روپے کی مالیت سے ناپید کا نہیں۔ دس پندرہ روپے کی ثوب (لمبی عربی قمیض)، پانچ سات روپے کے غترے، (سر کا لمبا دھمال) چار چھ روپے کی شپ شپ (ربڑ کی جوتی)، اور دس بارہ آنے کی چھڑی خاص مجالس میں ایک معمولی شل (لمبی عربی عبا) پہن لیتے ہیں۔

عبدالرحمن عسکری نے میر القادری کو ایاز انگریزی حکومت سے لے کر ایوب خاں کے عہد تک کی قید و بند کا ذکر کیا تو بہت مسرور ہوئے فرمایا:

”ہمیں ایسے جبری انسان سے مل کر خوشی ہوئی ہے ہمیشہ اللہ ولے ہی باقی رہتے ہیں وہ لوگ جو نام و نمود پر مرتے اور اقتدار و جاہ کے لیے جیتے ہیں آخر کار ختم ہو جاتے ہیں ایسے بہادر اور بھری آوی کو ہمیشہ اللہ والوں سے متعلق رکھنا چاہیے“

میں نے شیخ سے مشرق وسطیٰ کی جنگ کے نتائج پر پاکستانی نوجوانوں کے رد عمل کا ذکر کیا اور بتایا کہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی نئی پودہ برگشتہ ہوئی ہے کہ جب اسلام کے مولد کی حالت یہ ہے تو اسلام کہاں رہ جاتا ہے۔

انہوں نے کہا آپ کا مقصد عالم عربی نہیں محمد عربی میں عربوں کی اجتماعی سیرت کا بھی



وہی حال ہے جو دوسرے ملکوں میں عام مسلمانوں کا ہے عربوں میں ایمان و اسلام کی خرابی حکام کی وجہ سے آئی ہے اور اب یہ خرابی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ نئی نسلیں توحید و رسالت سے ہاتھ اٹھا چکی ہیں اس تنہائی کا باعث عرب خود ہیں۔ جس چیز کی اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے تلقین کی اور دعوت دی ہے وہی ان میں نہیں رہی۔ اسلامی اقدار ان کے وجود سے نکل چکی ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ پانی میں کوئی چیز گھل گھل کے ایک نقطہ پر جائے اور ہم اسی پر قائل ہوں۔ عرب خدا و رسولؐ کی تعلیمات سے آزاد ہو کر برطانیہ کی سیاست فرانس کی ثقافت امریکہ کی دولت اور روس کی رفاقت کے باعث تباہ ہوئے ہیں۔

کیونسلوں اور سوشلسٹوں کا ذکر آگیا تو فرمایا جو لوگ اللہ کے باقی، رسولؐ کے باقی، حزب کے باقی اور اخلاق کے باقی ہیں ان پر تہر سلطان ہو تو یہ لوگ سدھر سکتے ہیں ورنہ یہ دیمک کی طرح نئی پود کے ذہن کو چاٹ رہے ہیں میں نے شیخ کو قادیانی مسئلہ کے سیاسی پہلو سے آگاہ کیا اور اس بارے میں تفصیلاً روشنی ڈالی کہ یہ لوگ مسلمان ممالک میں استعماری طاقتوں کے جاسوس ہیں۔ شیخ نے بڑی توجہ سے تمام باتیں سنیں، فرمایا یہ پہلو ایسے ہیں کہ انہیں قلب بند کریں اور مجھے بھجوا دیں ہم آپ کے بڑے ممنون ہوں گے کیونکہ یہ پہلو ہمارے لیے نئے ہیں اور عرب حکومتوں بالخصوص حجاز کی حکومت کو اس کا علم یا اندازہ نہیں۔ آپ نے لکھا تو ہمارے لیے مفید و کارآمد ہوگا۔

شیخ بن باز کے بعد پھلی منزل میں شیخ عمر (یونیورسٹی کے اسٹنٹ جنرل سیکرٹری) سے ملاقات ہوئی ان سے بھی اس موضوع پر کچھ دیر باتیں کیں بہت خوش ہوئے، جامعہ کے ہال میں بڑے عظیم پاک و ہند کے طلبہ کو خطاب کیا انہیں خوشی ہوئی یہ بات ممالک غیر میں جا کر معلوم ہوتی ہے کہ اپنے ملک سے ملک والوں کو کتنی محبت ہوتی ہے میں نے اسرائیل

کے متعلق پاکستانی عوام کے جذبات کا تفصیل سے ذکر کیا کچھ عرب طلبہ بھی موجود تھے ان تفصیلات کے ترجمہ سے انہیں خوشی ہوئی تقریر ختم ہونے پر مشرقی اردن کا ایک طالب علم میسر پاس کیا کہنے لگا میں اپنی تحریک کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں میرا تعلق وہاں کے فداویوں سے ہے میں نے کہا آج سارا دن مشغول ہوں آپ کل صبح قصر حجاز میں چلے آئیں۔ یہاں سے نارخ ہو کر سیدھا ہوٹل پہنچا کچھ دوست مولوی محمد صدیق کے ہمراہ دارالحدیث کی طرف سے دعوت دینے آئے تھے کہ وہاں مشار کے بعد کوشلوم کیا ہے اور کیا نہیں! کے موضوع پر تقریر کروں۔ جتنے پاکستانی مدینہ طیبہ میں رہ رہے تھے یا اس دن حاضر تھے ان میں سے اسی فی صد تقریب میں شامل ہوئے میں نے کوشلوم کی تاریخ بیان کی اور مسلمان ملکوں میں اس کے متوقع برگ و بار کا جائزہ لیا یہ تقریب بھی صبح کی تقریب کے مانند خوشگوار رہی سامعین نے بڑے تپاک کا اظہار کیا یہاں تقریب کے بعد ایک مجلس جم گئی اور ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ہمارے علم میں کم ہوں گی لیکن وہاں بعض واقعات حال کے نوک زبان بھٹیں۔ اور وہ اس یقین سے بیان کر رہے تھے جیسے خود ان میں سے گزر رہے بلکہ انہی کا شکار ہیں مثلاً (۱) حجاز میں فسیل کی حکومت کو جو خطرہ ہے وہ مصر سے ہے شاہ سعود نے ان مصریوں کو حجاز سے نکلوا دیا جو مدتوں سے یہاں رہ رہے اور ان کے رشتے ناٹے یہاں ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں خیال تھا کہ حکومت حجاز سے مخلص نہیں ہیں ہوا یہ کہ جن کے تخیال یا دو خیال چلے گئے ان کی اولادیں رہ گئیں اب وہ اولادیں جوان ہو چکی ہیں انہیں مصری پویند کی وجہ سے شدید احساس ہے کہ سعودی حکومت سے پہلے وہ حجاز میں کارنٹا تھے، اب ان کی جگہ دوسرے لوگ آگئے ہیں شاہ سعود نے پاکستان سے خاصے روابط قائم کئے تھے۔ نتیجتاً حجازی فوج کی تربیت کے لیے پاکستانی فوج کے افسر بلوائے گئے اس طرح معاشیات



کے نظام میں اصلاح و ترقی کیلئے بھی پاکستان ہی کے لوگ گئے سرکاری بنک کے گورنر مسٹر انور علی پاکستان کے ہیں اپنے کام میں انتہائی زیرک اور انتہائی مخلص، انہوں نے سعودی حکومت کے مالیات کو ایک منہج اور ایک نظم دیا ہے۔ حجاز میں اور کئی جگہیں میں جہاں پاکستان کے ڈاکٹر، نرسیں، انجینئرز، صفت کار، حرفت کار وغیرہ کام کرتے ہیں لیکن عرب نیشنلزم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ عوام میں ایک عرب کی بات دوسرے عرب کے لیے عوامی تحریک بن جاتی اور جلد کارگر ہوتی ہے۔

۲۔ شاہ سعود کی فرماں روائی سے پہلے حکومت کا دفتری کاروبار مصریوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ کئی پشتوں سے یہاں آباد ہو گئے تھے اب انھیں دس بجک دینی کے بعد وہ سب عرب نیشنلزم کو ہوا دیتے ہیں۔

۳۔ چونکہ اکثر عرب ریاستیں جمہوری یا اشتراکی نظام کی زد میں ہیں ان کی تعلیم و سیاست حجاز سے زیادہ عوامی ہے اور آئے دن کی حکومتی تبدیلیاں عوام کے متحرک مزاج سے موافقت رکھتی ہیں، لہذا فطرت انسانی کی اس خواہش کے مطابق کہ وہ حکومت میں بار بار تبدیلی چاہتی ہے حجاز کے عوام بھی اس رو سے الگ نہیں۔

۴۔ کمزور معیشت کی عرب ریاستیں حجاز کی دولت پر لپٹائی ہوئی نگاہ رکھتی ہیں اشتراکی و استعماری ذہن اس کی دینی مرکزیت کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا اور اس کو عملاً ختم کر دینے کا خواہاں ہے اسرائیل کو یا انکی اس مزدوریت یا خواہش کا منظر ہے شاہ فیصل کو بجا طور پر شکایت ہے کہ اسرائیل کے خلاف عربوں کی جہاد کی تنظیموں اور مصر کی حکومت کو جتنی امداد حجاز نے دی ہے وہ اکثر و بیشتر حجاز ہی کے خلاف استعمال ہوتی ہے یمن کو حجاز کے خلاف بھڑکانے میں ناصر کا ہاتھ تھا اور جو اسلحہ یمن میں استعمال ہوا وہ روسی ساخت کا تھا حجاز میں یہ بات حتی الامکان

کا درجہ رکھتی ہے کہ روس کا اسلحہ اسرائیل کے خلاف نہیں حجاز و اردن کے خلاف استعمال ہو رہا ہے اور روس اسرائیل کے بجائے حجاز و اردن کو سیٹنا چاہتا ہے یعنی وہاں بھی اشتراکی نظام قائم کرنے کا مقصد ہے ان ہی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ یمن کی حجاز سے لڑائی ہوتے ہی حجاز کے مصری ہوا باز، ایئر فورس کے جہاز اڑا کر قاہرہ بھاگ گئے تھے۔

۵۔ بادشاہت کو عوام پر اعتماد نہیں اس کی ایک وجہ حجاز کے لوگوں کا ناخاندہ ہونا اور اس کے باشندوں کا ایک مخصوص مزاج ہے یہ کہنا کہ وہاں کوئی جمہوری نظام مفید ہو سکتا ہے ان لوگوں کی فطرت و مزاج کے خلاف ہے اور اس نظام کی توثیق ان کی تاریخی سرشت کرتی ہے انہیں ہر سال ایک ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو انہیں تابو میں رکھ سکے۔

۶۔ واقعہ یہ ہے کہ حجاز میں تہر سلطانی کے باعث جرائم بہت کم ہیں کوئی ڈاکہ نہیں، قتل و غارت نہیں، اس طرح کا ہنگامہ نہیں جو یورپ اور ایشیا کی جمہوری مملکتوں کا روزمرہ ہو چکا ہے۔ ہر بڑے جمہوری ملک میں گناہ کے دلال، شراب شاہ کے بازار لگا کے بیچے ہیں۔ لیکن حجاز میں اس کا تصور ہی نہیں رہا چوری چھپے کا سوال تو انسانی نفس کا شر ہر جگہ موجود ہے حجاز اس سے منزہ نہیں تو طرٹ بھی نہیں، دبدبہ سلطانی نے جرائم کی ہڈیاں توڑ دی ہیں اور جو مرتکب ہوتے وہ سخت سزا پاتے ہیں۔

۷۔ حجاز رحمت و برکت کا خطہ ہے اس کی دولت، ومعیشت بڑی وسیع ہے تیل نے اس کی آمدنی کو بے پناہ کر دیا ہے اس کے علاوہ سونے کی بعض کانیں بھی ملی ہیں بہت مدد پتھر نکلا ہے جس سے اینٹیں اور چونا تیار ہوتا ہے حجاز ہر سال قربانی کرتے اور لاکھوں جانور ذبح ہوتے ہیں لیکن ان کا گوشت اور کھانسیں قریب قریب ضائع ہو جاتی ہیں حکومت گوشت کو محفوظ کر سکتی اور ان ملکوں کو بھیج سکتی ہے جہاں غذائی مسئلے حل کرنے کے لیے



امریکی امداد جاتی ہے اس کے علاوہ کئی قسم کی عیس لگائی جاسکتی ہیں لیکن حکومت اس طرف توجہ نہیں کرتی ایک تودہ اس قسم کی چیزوں کو اپنی ضرورت سے زائد سمجھتی ۔ دوسرے لئے لوگوں کے "سادا" ہو جانے کا اندیشہ لگاتا ہے۔

۸۔ عربوں کے پاس کوئی شخصیت صفت اول کی نہیں بالخصوص کوئی ایسا مسلمان رہنما نہیں جس کا مطلع نظر صرف سلام ہوا دوسرے کی ذات یا شخصیت عربوں کے قلوب کو متاثر کر سکے پچھلی کئی صدیوں سے انہوں نے کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں کیا ان کے بوڑھے ماضی میں زندگی بسر کر رہے اور ان کے جوان مستقبل کی خاطر اس ماضی سے بغاوت کر چکے ہیں۔

۹۔ اب تک عراق، شام، عدن، یمن، لبیا، سوڈان، الجزائر، مصر، صومالیہ اور گنی کی حکومتیں اشتراکی ہو چکی ہیں صرف جہاز، کویت، اردن، تیونس، مراکش اور موریتانیہ غیر اشتراکی ہیں اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ان پر کیا افتاد آئے گی بہر حال ارد گرد کی اشتراکی ریاستیں اور اندر خانہ کا فتنہ کالم ان ممالک کے سکون کو، معصم کئے بیٹھا اور اشتراکیت سے کرنے کے درپے ہے۔

۱۰۔ عربوں کا تاریخی شرف ختم ہو گیا ہے وہ ان کا ماضی تھا ان کا حال اس کے انٹ ہے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ تہی یمن کے مقابل میں ٹھہر سکیں گے۔

۱۱۔ عربوں کے ذہنی بیت الخلا کا نام، بیڑت ہے ان کے نئے فکری سوتے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہمیں سے پھوٹے ہیں اور عرب نیشنلزم کی ابتدا یہاں سے ہوئی ہے لبنان میں برابر سمریہ کی غلط آبادی عالمی طاقتوں کے ڈرامہ کا ایجنٹ ہے عرب امرایہاں عیاشی کے لیے اور استعماری کلنڈر سے جوڑ بڑور کے لیے آتے ہیں امریکہ کے مختلف دفاتر یہاں سے حکومتوں کی غریبہ و فروخت کرتے اور امریکن یونیورسٹی بیروت اتنی نسل کی تطہیر و مانا

BRAIN WASHING کا فرض ادا کرتی ہے عجیب بات ہے کہ استنبول اور قاہرہ میں بھی امریکن یونیورسٹیاں موجود ہیں مراکش میں ایک امریکن کالج ہے۔

۱۲۔ عرب نیشنلزم کی تحریک کے ذہنی رہنما عیسائی اور ان کے بھائی ہیں انہی کی چھاپ پہلی جنگ عظیم سے عربوں کے دماغوں پر لگی ہوئی ہے مثلاً صحافت جو اس زمانے میں خیالات کو الٹنے پٹنے کا سب سے موثر ہتھیار ہے اس کا قاعدہ جرجی زیدان عیسائی تھا۔ ادب میں خلیل جبران ہمارے ہاں بھی آپہنچا ہے، لبنان کا عیسائی تھا اسی نے کہا تھا کہ قرآن کی ادبی زبان کا جواب دیا جاسکتا ہے اور وہ (معوذ باللہ) الہامی خرافات کا مجموعہ ہے جارج حبش امریکن یونیورسٹی کا فارغ التحصیل اور وہیں استاد رہا ہے اس نے عربوں کی اشتراکی نسل تیار کی ہے۔ نائف حواتر شرق اردن کا عیسائی قانون دان اور اشتراکیت کا مبلغ ہے اس کا نصب العین عربوں میں حرمین شریفین کے خلاف تحریک پیدا کرنا اور مسلمانوں کو ان کے شرف سے محروم رکھنا ہے اس کا کہنا ہے کہ:

"حرمین شریفین مغربی استعمار کے اوٹے، مذہبی خرافات کا مرکز، مذہبی سامراج کا نشان اور عربی قومیت کے منافی ہے جب تک یہ ختم نہ ہوں گے فلسطین حاصل کرنا ناممکن ہے" طارق علی پال سارتر کے مقلد کی حیثیت سے انہی اشتراکیوں کو پاکستانی گشتہ ہے۔

۱۳۔ عربوں میں مذہبی انہماک نہیں رہا گو ان کا عمومی مزاج اب بھی مذہبی ہے لیکن جس طرح ہمارے ہاں شعائر اسلام کی حفاظت کی جاتی ہے وہ عربوں کے تعزیری مزاج سے خارج ہو چکی ہے مثلاً مصر نے حجاز سے کش مکش کے دوران آب زمزم روک دیا ہفتہ وار صبح انجیر نے لکھا کہ زمزم میں مکہ بھر کی گندگی ہوتی ہے اس میں زہر بھر چکا ہے، ایک دوسرے ہفتہ وار روز البیوسف نے لکھا کہ لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد ناقابل استعمال پایا



گیا ہے۔ مصر کے ایک ناول نگار احسان عبدالقدوس نے ناول لکھا ہے جس میں نازم کی تصنیف کی ہے۔ ایک دوسرے ہفتہ وار "مسائے" جس کی نہاد اشتر کی ہے حضور کے خلاف کارٹون شائع کیا پاکستان میں اس طرح کی حرکت ہوتی تو وہ اخبار اور مدیر دونوں موت کے انگوٹھ میں جا چکے ہوتے۔

۱۴۔ سلطان عبدالعزیز کے ۳۳ بیٹے تھے ان بیٹوں کی بے شمار اولاد ہے، سینکڑوں شہزادے ہیں اور سب کسی نہ کسی عہد پر متعین ہیں ہر صوبہ کا گورنر اپنی بھائیوں میں سے ہے فوج کا یہ حال ہے کہ پاکستان سے جو لوگ انہیں تربیت دینے گئے ہیں ان کی روایت کے مطابق وہ فوج سے زیادہ موح پر یقین رکھتے ہیں وہ اللہ کی اس زمین سے تنخواہ پاتے ہیں۔ لیکن اس کی حفاظت اللہ پر چھوڑ رکھی ہے کہ اللہ نے خود قرآن میں اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ نوے فی صد عوام ناصری ہیں۔

۱۵۔ عربوں کو شکایت ہے کہ عجم کی بعض مسلمان ریاستیں یا ان کے بعض مذہبی ادارے عالمی استعمار کے لگے بندھے اور ان کے تنگ ناسور ہیں وہ انہیں مختلف استعماری طاقتوں کا ایجنٹ خیال کرتے ہیں مثلاً ایران کے بہائی اور پاکستان کے قادیانی، بہائی ان کے نزدیک فری میسنری ہیں اور فری میسن یہودیوں کی تحریک ہے انہیں ترکی سے اب تک رنجش ہے حالانکہ ترک عوام سلام سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں ان کی رنجش کسی ملک کے عوام سے نہیں حکمرانوں سے ہے یا اس ملک کے سیاسی رہنماؤں سے مثلاً ان کا یہ گلا دل چسپ ہے کہ عصمت الزہرا کی ماں اور بیوی دونوں یہودی تھیں۔ ماں نے تو سلام بھی قبول نہیں کیا تھا ان کا خیال ہے کہ طہران میں ساٹھ فی صد یہودی تجارت کنٹرل کرتے اور مختلف حیثیتوں سے وہاں موجود ہیں ان کے خیال میں حبشہ کے بعد ایران

پہلا مسلمان ملک ہے جس نے یہودیوں کو اپنے ماں بلا کر آباد کیا ہے یہ باہمی تعلقات میں کشیدگی کی زبان ہے یا اس میں کوئی حقیقت ہے بہر حال یہ گلے موجود ہیں۔ ان کی اطلاع کے مطابق حبشہ میں تین ہزار اور لائبیریا میں چار ہزار یہودی ایکسپرٹ موجود ہیں جو گروا گرو کی اسلامی ریاستوں کے وجود کو ہلانے میں مشغول ہیں اور اشتر کی انقلاب کو انہی سے آگے دانا مل رہا ہے۔

ایک عرب طالب علم نے بتایا کہ مصر میں روس نے مختلف ڈیمز وغیرہ بنانے کے لیے جو ٹیکنیشن بھیجے ہیں ان چالیس ہزار میں سے سو بیس کے روپ میں نصف ٹری ایکسپرٹ ہیں اور ان میں پچیس فی صد یہودی ہیں یہی وجہ ہے کہ روس فوجی امداد کے نام پر اڑے بنانا اور اسرائیل تباہ کر جاتا ہے روسی فوج کا چیف آف دی سٹاف مارشل زوروف نسلا یہودی ہے اسرائیل کا پہلا وزیر اعظم بنگورین روس کا یہودی تھا۔

۱۶۔ میکس استفار پر کہ قادیانی اسرائیل کس پاسپورٹ پر جاتے ہیں۔ ایک صحافی نے بتایا کہ روم، قبرص یا لیبیا کے راستے کیونکہ ان ملکوں میں قادیانی جماعت کے نہایت پر اسرار مراکز ہیں۔

۱۷۔ ایک عرب شیخ جن کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ تاریخ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں نے بیان کیا کہ سلامی دنیا اس وقت کن مار آئین فرقوں کا شکار ہے، انہوں نے کہا ایران میں بہائی، ترکی میں دو عہد، شام میں نصیری و دروزی، مصر میں قبطی (واضح رہے ۱۹۶۸ء کی عرب اسرائیل جنگ میں صوائے سینائی کا راکٹ اسٹیشن انہی کے فرائض میں تھا، عراق میں فری میسنری اور پاکستان میں قادیانی اصل سلام کے خلاف زبردست تحریکیں ہیں۔ ان سب کا مقصد محمد عربی کے سلام کو تہس نہس کرنا ہے ان کے خیال



میں سر فخر اللہ، ایم ایم احمد اور ڈاکٹر عبدالسلام فری میسنری میں فری میسنری پہنچی سر مایہ داروں کا ادارہ ہے مختلف مملکت میں اس کا کام اقتصادی اور سیاسی بد حال پیدا کرنا اور استعماری طاقتوں کی رضا پر چلنا اور اپنی رضا پر چلنا ہے قادیانی افریقہ میں اپنی ریاست بنانے کی کوشش میں ہیں۔ ناجر ساحل العاج اور لائبیریا میں انہیں پورا پورا نفوذ حاصل ہے۔ دومرہ کے متعلق شیخ کا بیان تھا کہ ترکی فوج میں ان کا رسوخ ہے اور وہ کوئی ۶۵ فی صد ہیں واللہ اعلم، لیکن ترکی کے اسرائیل سے رابطہ قائم کرنے کی ایک وجہ یہی دومرہ ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ ارضی لڑکیاں استعماری مقاصد کی پشت پناہ ہیں جو فوج خالوں کے عقد یا متعہ میں رہتی ہیں، افریقہ کی مسلم ریاستوں کے جو سربراہ مارے گئے، قید ہو گئے یا جلا وطن ان میں اسرائیل کی سازشوں کا باقاعدہ دخل ہے۔ تنزانیہ میں چالیس ہزار مسلمان عرب مارے گئے اس خون ریزی میں حبشہ، قبرص اور اسرائیل کا ہاتھ تھا۔

شام، اسرائیل اور لبنان کے درمیان پہاڑیوں کے سلسلے کا نام دروزیے وہاں کے باشندوں کو اس رعایت سے دروزی کہتے ہیں۔ یہ لوگ حسن بن صباح کی تحریک کے باقیات یا قرامطہ وغیرہ کی ذریعات میں سے ہیں۔ اپنی دروزیوں میں سے پچپن<sup>(۵۵)</sup> فی صد اسرائیل کے فوجی ہیں۔ اور شام کی فوج میں عملاً ان دروزیوں ہی کی بالادستی ہے اسی باعث شام اسرائیل کے خلاف نہیں لڑا لیکن شرق اردن میں شاہ حسین کے خلاف ہنگامہ فرمائی میں بالواسطہ اور بلا واسطہ شریک ہوتا ہے لبنان میں بھی دروزی اثر موجود ہے دروزیوں کو یاد ہے کہ ان کی شرارتوں کے باعث صلاح الدین ایوبی نے انہیں کچلا تھا۔ اب شام کی اکثر کی حکومت نے صلاح الدین ایوبی کی قبر پر نبولین کی پلیٹ

لگا دی ہے نبولین نے صلیبی جنگوں کے اس نتائج کی قبر پر پاؤں رکھ کے کہا تھا: ”صلیبی جنگوں کا امیر وہاں ہے؟ ہم آج اس کا انتقام لینے آئے ہیں“ یہ قبر دمشق میں جامع اموی کے پاس محلہ الظاہریہ میں ہے دروزیوں کے متعلق کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اپنی بہن سے بھی شادی کر لیتے ہیں مصر میں قبلی اثرات خاصے ہیں فری میسنریوں کے بعد قبلی ہی طاقت ور ہیں کہا جاتا ہے کہ فوج کی بعض کلیدی آسامیاں ان کے پاس ہیں اور اکثر قبلی عیسائی ہیں۔

۱۸۔ غیر ملکی طاقتوں نے عربوں کو جس طرح خوار و زبور کیا ہر کسی کو معلوم ہے اب عربوں کی شکلیں مسلمان ہیں، عقیدیں گمراہ ہو چکی ہیں یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ملکوں کے نظامہ ملے حکومت میں عموماً ان اقلیتوں کے افراد کلیدی عہدوں پر فائز ہیں۔ جنہیں مسلمانوں کے سوا اعظم سے کوئی تعلق یا رابطہ نہیں وہ اپنے مخصوص عقائد رکھتے اور عملاً اسلام سے کنارہ کش ہیں اور جو مسلمان ہیں وہ مغرب کے زیر اثر تہجد و پند ہیں۔ جہاں اشتراکی، دروزی، نصیری، قبلی اور صولی ہیں وہاں اس سے مختلف نتائج پیدا نہیں ہو سکتے جواب پیدا ہو رہے ہیں بلکہ ان کا وجود ہی ان نتائج کے لیے ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس قوم سے وہ لوگ کیونکر اٹھ جو پوری انسانیت کا ماضی ہیں اور اب اس قوم کی مٹی اتنی بے گنج کیوں ہو گئی ہے کہ صدیوں سے ان کے دیار میں کوئی رونق نہیں، کوئی ایسا چہرہ نہیں ابھرتا جو انہیں اور اس کائنات کو دگرگوں کر دے کتنا شاندار زمانہ چھوڑ کر یہ قوم کس زمانہ میں آگئی ہے کہ اس کی شجاعت کا درخت سوکھ کر ٹھنڈ ہو گیا ہے۔



رات حضرت سید احمد بن حفص العطار المدنی کے ہاں کھانے پر گیا تو میسرے  
سانے عربوں کی روانگی ہمان نوازی کا پورا دسترخوان تھا ان کے تمینوں بچے حسن اسیل  
اور شرف باب کی تصویریں ہم میں خاصی دیر تبادلہ انکار ہوتا رہا۔ وہ خود دلیگر تھے  
کہ مسلمانوں کی عمارت منہدم ہو گئی ہے لیکن وہ ناامید نہیں تھے انہیں ہر خطہ کا احساس  
تھا لیکن ہر خطہ کے علاج سے نابلد تھے کسی عرب میں مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس  
کے لیے وہ اضطراب نہیں جو ہمارے ہاں اس قسم کے حادثوں میں ایک تحریک  
یا احتجاج کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ خطیبوں کی یہ قوم اور لسان و بیان کے یہ انسان  
درو کے اجتماعی اظہار سیاست کے منظم دلوں اور عوامی مظاہروں کے مزاج سے  
بالکل بے بہرہ ہیں ان میں جلسہ جلوس اور احتجاج کے ادارے ہی نہیں۔ سب  
کچھ اللہ پر چھوڑ رکھا ہے پہلے وہ اللہ کے لیے تھے اب اللہ ان کے لیے ہیں اور  
وہ نہیں جانتے کہ

فلت لفرادے اغماض بھی کر لیتی ہے

اور کرتی انہیں ملت کے گناہوں کو معاف

رات کافی گزر چکی تھی حضرت مدنی کے دولت کدہ سے واپس آکر لیٹر پر اس طرح  
لیٹ گیا جس طرح نگہ انتظار تھک کے رہ جاتی اور دل ٹوٹ کے مر جاتا ہے  
خدا سے دعا کرتا رہا کہ اے اللہ عربوں کے ماضی کو رسوا نہ کر یہ رسوا ہو گئے  
تو ان کا وہ شرف مٹ جائے گا جو کل انسانیت کا نصف بہتر ہے۔ ان کی عقلیں  
کو تباہ ہو گئی ہیں انہیں جلا دے، ان کے نفس گمراہ ہو گئے ہیں انہیں سچا کر۔ ان کی  
ہمتیں تھک گئی ہیں انہیں توانا کر، ان کے جام خالی ہو گئے ہیں انہیں بھروسے ،

ان کی تلواریں زنگ کھا گئی ہیں انہیں مستقل دے، ان کے پاؤں ٹوٹ گئے ہیں انہیں  
رفار دے، یہ مٹ گئے تو معنوب مفضل نہیں گئے کہ سورہ فاتحہ کے آخری بول ان کا  
ہاتھ نہیں بنا سکے ہیں۔

مدینہ میں ایک صاحب ہیں شاہ دین کوئی بیس پچیس سال پہلے ج کے لیے گئے  
روضہ اقدس پر حاضر تھے، وحی میں لہراٹھی وہیں رہ گئے اور وہیں کے ہو گئے۔ لاہور میں  
ان کے اعزہ واقربا رہتے، میں تھوڑی بہت زمینداری ہے ان کے بیٹے اخراجات  
بھیجتے رہے پھر انہیں منع کر دیا کہ یہاں مجھے نوکری مل گئی ہے کوئی روپیہ پیسہ بھیجنے  
کی ضرورت نہیں۔

میں صبح ہونے سے دو تین گھنٹے پہلے روضہ اقدس سے نکل کے ہوٹل جا رہا  
تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

شورش صاحب شورش صاحب

مڑ کے دیکھا تو ادھیڑ عمر کے ایک بزرگ چلے آ رہے ہیں میں رک گیا انہوں نے کہا :  
یہ پاس ہی میرا مکان ہے، میسرے ساتھ ایک پیالی چائے پی لیں اس وقت ہلکی  
بوند باندی ہو رہی تھی میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ابس وقت اگر چائے  
پی تو پھر نیند نہیں آئے گی ابھی تھوڑی سی دیر میں فجر کی اذان ہوگی اور مجھے دوبارہ  
آنا ہے انہوں نے اصرار کیا اور کہا میرا مکان خالد بن ولید کے مکان کا حصہ ہے پہلے  
مجھے خوش ہوگی ختم نوبت کے سلسلہ میں آپ نے جس عشق اور ہمت کا ثبوت دیا ہے  
میسرے دل میں اس کی بڑی قدر ہے میں ان کے ساتھ ہو گیا اور وہ مجھے اپنے ساتھ مکان  
میں لے گئے بالکل باب النساء کے سامنے پاکستان باؤس کے ساتھ ہی ان کا مکان ہے۔



فوراً ہی بجلی کے چوٹے پر چائے تیار کی ان کے پاس بے شمار ریکارڈز، ٹیپ ریکارڈز اور گراموفون پڑے تھے ان میں بیسیوں تاریوں کی آوازیں محفوظ ہیں کہنے لگے :  
یہ چائے تو محض بہانہ تھا، آپ کو ایک چیز دینا ہے سمجھتا ہوں کہ آپ اس کے مستحق ہیں جن دنوں آپ ختم نبوت میں قید تھے اور آپ نے جان کی بازی لگائی تھی ان دنوں آپ کے لیے یہاں بے شمار دعائیں کی گئیں اور میں نے تب ہی یہ چیز آپ کے لیے رکھ دی تھی۔

اپنے عشق کا ماہرا بیان کرتے ہوئے کہا ————— میرے بیٹے مجھے اخراجات کے لیے چار پانچ سو روپے مانگ بھیج دیتے تھے لیکن اللہ نے مجھے ایسی نوکری دے دی ہے کہ اس سے بڑی عزت کی نوکری ہی نہیں، میں نے کہا وہ کیا؟

کہنے لگے،

میں حضور کے روضہ میں بھاڑ دیتا ہوں یہ عزت کب ملتی ہے جب تک وہ منظوری نہ دیں اس کے بعد آبدیدہ ہو گئے بولے عرصہ ہوتا ہے میں گنبد خضریٰ پر کپڑا پھیر رہا تھا تو پلستر کی ایک ٹکڑی الگ ہو گئی جہاں کتنی صدیوں سے اس کو روضہ اقدس پر سائبانی کا شرف حاصل تھا میں نے اس ٹکڑی کو خوشبوؤں میں بسا کے رکھا ہے یہ ایک اپنج کا ٹکڑا آپ کی نذر ہے خوشبو میں بسا کر چاندی کی ڈلی میں رکھ چھوڑیں، عشق کی بات ہے آخری وقت ادلا دے کہہ دیجئے گا کہ کفن میں ساتھ رکھ دے۔

مہن نے شکر یہ ادا کیا اور اس نعمت غیر مترقبہ کو لے کر یوں محسوس کیا گویا ایک ذرہ

حقیر کو نوازا گیا ہے —————

یہ سب ان کا کرم، ان کا کرم، ان کا کرم ہے

مسجد نبوی عشاء کے بعد بند کر دی جاتی ہے اس کے بعد خدمت گار صفائی کرتے ہیں، لیکن ایک عقی دروازے کا بغلی پھانک خاص لوگوں کے لیے کھلا رہتا ہے شوق ارادت کی افزونی ہو تو اجازت مل ہی جاتی ہے۔ مجھے بھی حضرت مدنی کے باعث یہ دولت مل گئی۔ اگلے روز شاہ دین ساتھ لے گئے دو گئے بھائی جن کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کے والد ہندوستان کے تھے اور ماں ترک قزاق کر رہے تھے سبحان اللہ آواز تھی کہ سحر، قرآن پاک دل میں اترتا جا رہا تھا اور وہاں پڑھا جا رہا تھا جہاں گنبد خضریٰ تھے وہ عظیم انسان محو خواب ہے جس پر یہ نازل ہوا تھا اسطوانہ جبریل روضہ اقدس اور کلام پاک اندازہ کیجئے کیا سما ہوگا! یہی وہ لذتیں ہیں جو الفاظ کے ترغیر میں نہیں آئیں کوئی شیشہ نہیں کہ عکس لے سکے اور کوئی بیان نہیں کہ احاطہ کر سکے۔ سوچئے کیا چیز ہوگی جو سب سے بڑے عشق اور سب سے بڑے ایمان کے ان بے بہا لمحوں میں پیدا ہوتی اور دل و دماغ کو مسحور کرتی ہے۔ عشق و ارادت اور کیف و مستی کا یہی مقام ہے جہاں الفاظ رہ جاتے، آواز صامت ہوتی اور انسان پر سحر ہو جاتا ہے جنہیں آوازیں نہیں سمیٹتیں وہ چیزیں کیا ہوں گی!

اللہ اکبر اللہ اکبر

دو اچ کا دن آگیا گئی رات مدینہ پہنچنے کا خیال ستا رہا۔ فجر نماز ریاض الجنۃ میں پڑھی، روضہ اقدس پہ حاضر ہوا تو حال یہ تھا کہ جدائی کے منصوبہ نے انگاروں پر لٹا رکھا تھا ذرا پیچھے ہٹ کے دیوار کی ٹیک لی اور بیٹھ گیا۔



۶۲۲ عیسوی مئی کا مہینہ ۱۱ ہجری ربیع الاول، عصر کا وقت، ارشاد ہوئی ہے کہ ابو بکرؓ نماز پڑھا میں، عائشہؓ فرماتی ہیں وہ رقیق القلب، ہیں ان سے یہ نہ ہوگا۔ حضورؐ فرماتے ہیں نہیں ان سے کہو۔ ابو بکرؓ عذر کرتے ہیں کہ مجھ میں آپ کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے کی ہمت کہاں۔

یہ تاب، یہ جمال، یہ طاق، نہیں مجھے

حضورؐ کا حکم، ابو بکرؓ روتے دھوتے کھڑے ہو جاتے ہیں ایک دن طبیعت مصلیٰ بحال ہوئی تو فرمایا کہ پانی کی سات مشقیں آپ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سہارا دے کر مسجد میں لائے جماعت کھڑی تھی، ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر پیچھے ہٹنا چاہا تو منع فرمایا، ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھی، آخری خطبہ فرمایا۔

سب سے زیادہ جس کی دولت اور محبت کا ممنون ہوں وہ ابو بکرؓ ہیں، تم

سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ

بنالیا تھا دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر جاتا ہوں۔

اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہؓ کے کان میں کچھ کہا تو رونے لگیں، دوبارہ کچھ کہا تو ہنسنے لگیں حضرت

عائشہؓ نے پوچھا تو بتایا آپؐ نے فرمایا تھا میں اس مرض میں انتقال کروں گا۔ میں

رونے لگی تو فرمایا میں سے خدا ان میں سب سے پہلے تمہیں مجھے آکر ملوگی، وصال کے لمحے

قریب ہو گئے تو انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق چہرہ یوں ہو گیا جیسے مصحف کا کوئی

ورق سفید ہو گیا ہے فاطمہؓ نے باپؐ کو رخصت ہوتے دیکھا تو فرمایا مائے میکہ باپؐ کی

بے چینی، ارشاد ہوا بیٹی تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔ تب انگلی سے اشارہ

کیا اور تین دفعہ فرمایا

بل الرقیق الان علی

(اب اور کوئی نہیں وہ بڑا رقیق درکار ہے)

یہی کہتے کہتے روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی،

اللہم صلی علیہ دعلی آلہ واصحابہ صلوٰۃ کثیرا کثیرا

حضورؐ سے رخصت، اے کر میں ابو بکرؓ کے جھوکے پر آگیا دیکھا کہ صدیق اکبرؓ سامنے کے حجرے سے رسول اکرمؐ کو کن آنکھیں سے دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ سدا کا رسولؐ کب حجرے سے باہر آتا اور اپنے جمال جہاں تاب سے فضا کو چکا چوند کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے جھوکے کو دیکھا کہ وہ بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضے سے گڑھ رہے اور مسجد اقصیٰ پر ان کے تصرف سے مغموم، میں عربوں سے کہہ رہے ہیں کیا تم اسی دن کے لیے زندہ تھے؟

رخصت، ہونے سے پہلے میں نے روضہ اقدس کے گرد کئی پھیرے ڈالے ایک

ایک ستون پر کھڑا ہوا اصحاب صفہ کے چوتھرے پر قرن اول کو تلاش کیا حضرت فاطمہؓ کے

حجرہ پر تہجد کی ان نمازوں کو محسوس کیا جو سرد کائنات ہر رات یہاں ادا فرماتے تھے۔

معلوم ہوتا تھا۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

ورد و سلام کے سوا میسر پاس کیا تھا، چاکروں کا چاکر، لوطا تو جہاں بچھڑنے کا مال تھا

وہاں اس فردِ مسرت سے معمور تھا کہ سب سے بڑی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر جا رہا ہوں۔



سید صاحب جنت البقیع پہنچا خاتون جنت کی چوکھٹ پر کھڑا ہو کے روتا رہا میں سوچ رہا تھا عیو! ان کے آبا کو حشر کے دن کیا جواب دو گے؟ انہیں کب انہیں ستایا گیا؟ باپ پر پتھر اڑ کیا، شوہر کو خنجر بھونکا، بیٹوں میں سے ایک کو زہر دیا، دوسرے کو کنبہ سمیت شہید کر ڈالا، بیٹی کو کونہ و موصل کے بازاروں میں بے کجاہہ اونٹوں پر بھرایا اور اب رحلت کے بعد بھی باپ بیٹی کی قبروں میں فاصلہ رکھ دیا ہے، فاطمہ کی قبر خود اپنی تعزیت کر رہی ہے۔

عثمان غنیؓ کی لحد پر مسلمانوں کی خیر گذاری کا بے تحریر کتبہ بول رہا ہے، حضورؐ کی آواز گو نجی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہے، عثمانؓ سے فرشتے شرماتے ہیں۔

امام مالک کی قبر کے نزدیک اگر آنسو رخساروں پر اس طرح گرنے لگے جس طرح سفید کاغذ پر الفاظ گرتے ہیں، میں نے دیکھا مسجد نبویؐ میں دس کی صحبت سچی ہوئی ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ جیسے انسان دو زانو بیٹھے ہیں بارون الرشید نے بلوایا ہے جواب دیتے ہیں۔

”علم کے پاس لوگ آتے ہیں علم لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔“

بارون الرشید خود حاضر ہوتا ہے کسی نے کہا خلیفۃ المسلمین آ رہا ہے عوام کی بھیڑ چھٹ جائے تو بہتر ہے فرماتے ہیں:

”شخصی منفعت کے لیے آئادہ عام کا خون نہیں کیا جاسکتا۔“

منصورؒ نے خلافت کے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے عم زاد بھائی جعفر کو مدینہ کا والی مقرر کیا اس نے امام صاحب کو کہلوا یا کہ آئندہ طلاق مکروہ کے عدم اعتبار کا فتویٰ

نہ دیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کا دین کسی انسان کے لیے ترک کرنا مشکل ہے۔ حکم دیا کہ انہیں ستر کوڑے لگائے جائیں، کپڑے اتارے گئے اور ستر کوڑے اس زور سے مارے گئے کہ خون کی دھاریاں بہہ نکلیں، تمام پیٹھ خون سے تر ہو گئی، دونوں ہاتھ مونڈھے سے نکل گئے صبر و استقامت کے پہاڑ کو اس جگہ کھرا پایا تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر رسوا کیا جائے۔

تو نیز ہر سر بام آ کر خوش تماشا ٹیبت مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں پھرایا لیکن زبان مبارک پر ایک ہی کلمہ تھا، ”جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری مکروہ، درست نہیں ہے۔“

انہی خون آلود کپڑوں میں مسجد نبویؐ میں گئے، پشت مبارک سے خون صاف کیا، دو رکعت نماز پڑھی فرمایا کہ سعید بن مسیب نے بھی کوڑے کھانے کے بعد مسجد نبویؐ میں نماز پڑھی تھی۔ جنت البقیع کو جھک کے سلام کیا، وہاں سے ایک دوست کے ہمراہ مسجد قبا چلا گیا تاکہ لوٹتے وقت وہاں بھی دو نفل پڑھ لوں کہ یہاں نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ ہوٹل آیا میجر سے بل مانگا تو معلوم ہوا کہ حضرت مدنی سارا بل ادا کر گئے ہیں۔ جتنے دن یہاں ٹھہرا وہاں انہی کا جہان تھا تھوڑی دیر میں وہ خود بھی آ گئے، دو بڑی جائناتیں لائے ایک میسر اور ایک میری بیوی کے لیے۔ حضورؐ کے حجرہ مبارک سے مٹی لائے، عنبر لائے، کھجور لائے، عطر لائے، بہت سی اعلیٰ اقسام کی تسبیحیں عنایت کیں۔ پھر دوستوں کے ہمراہ ایئر پورٹ تک چھوڑنے آئے



جہاز دو گھنٹے ٹیٹ تھا جب تک جہاز آیا اور چلا نہیں آیا پورٹ پر موجود رہے۔  
 میں نے والد مرحوم کے لئے عمرہ کا قصد کیا تو مدینہ ہی میں احرام باندھ لیا جہاز  
 وہاں سے جدہ جا رہا تھا اور مجھے مزید دو روز مکہ معظمہ ٹھہرنا تھا حضرت مدنی اور  
 دوسرے دوستوں سے ایک بھر پور معافہ کیا، مدینہ کے حسن و جمال پر نگاہ دوڑائی دل  
 یہی کہہ رہا تھا۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا  
 پھر سن سے ایک خیال آ کے نکل گیا کہ مصرع ایک برہمن کا ہے اور اس وقت ایک  
 برہمن زادے ہی کی زبان پر ہے۔ لیکن جس عرب نے آدمی کا بول بالا کیا اس کی اپنی  
 قوم بیوہ کے آنسو کی طرح ٹپک کر مٹی ہو گئی ہے۔  
 طیارہ اڑ رہا تھا لیکن سرور کائنات کے الفاظ حافطہ کی گریں کھول رہے تھے۔  
 سچائی میں ہر کتاب سے بڑھ کے اللہ کی کتاب ہے،  
 سب سے معتمد سخن تقویٰ کا کلمہ ہے،  
 سب ملتوں میں افضل ملت ابراہیم ہے،  
 سب طریقوں میں بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے،  
 سب باتوں میں اللہ کے ذکر کو شرف حاصل ہے،  
 انبیاء کی روش سب روشوں سے اچھی ہے۔

---

۱۔ مصرع پنڈت ہری چند اختر کا ہے، مولف ننگوت ڈار ہے جو کشمیری برہمنوں  
 کی ایک شاخ ہے۔